رکھا ہی، دقیق مسائل کو مثالون سے سمجھانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے، جسکی وجہ سے رسالہ خاصہ دلچسپ ہوگیا ہے، ہم مصنف کو انکی کوشش پر مبارکباد دیتے ہین،

حافظِ شیراز:۔ حافظ کی نظر سے، از جناب سید یوشع صاحب بی اے علیگ، ۶۳ صفحے چھوٹی تقطیع، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت ۸ر، مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد،

جناب سید یوشع صاحب بی اے اس فکر مین ہین کہ "خواجہ حافظ" کو "حافظ کی نظر سے" دکھایا جائے یعنی خود انھی کے کلام سے ان کے حالاتِ زندگی، اخلاق و عادات اور پھر ان کے کلام کے خصوصیات کو دکھایا جائے، موصوف اس سلسلہ مین کافی مواد فراہم کرچکے ہین، اور پیشِ نظر رسالہ اسی سلسلہ مین گویا ان کی آیندہ تالیف کا ایک مختصر تعارف ہی، جس مین حافظ کے کلام پر دلچسپ انداز بیان مین خود انھی کے کلام سے تبصرہ کیا ہے،

انتخاب شبلی معروف بہ گنجینۂ ادب:۔ مرتبہ مولانا شبلی صاحب ندوی مدرس اول مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ، ناشر یونیورسل لائبریری نمبر ۱۴ ویلسلی اسٹریٹ کلکتہ، حجم ۱۰۴، لکھائی چھپائی ٹائپ کی قیمت ۸ر،

مولانا محمد شبلی صاحب ندوی نے جو ندوۃ العلماء کے متوسلین کے حلقہ مین "متکلم" کے لقب سے مشہور ہین، انگریزی مدارس کے لئے اردو کی ایک ریڈر تیار کی ہے، اور جو ان کے لائق شاگرد پروفیسر سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے کی نظرثانی کے بعد بنگال کے انگریزی مدارس مین رائج کرنے کیلئے بنگال ہی سے شائع ہوئی ہے، مرتب نے اس رسالہ مین اردو کے ممتاز اہل قلم کے مضامین کے دلچسپ اور سبق آموز انتخابات نثر و نظم یکجا کئے ہین، اسوقت انگریزی مدرسون مین جو ریڈرین عام طور پر پڑھائی جاتی ہین، اون مین اس رسالہ کو مستند، کارآمد اور سبق آموز انتخابات کی بناپر تفوق حاصل ہی، اور امید ہے کہ یہ رواج پذیر ہو کر سودمند ثابت ہوگا،

"ر"

جلد بست و ہشتم ۲۸	ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء	عدد ۳

مضامین

شذرات

بعض اتفاقات بھی عجیب ہوتے ہین، پچھلے رسالہ مین مسٹر صلاح الدین خدا بخش (جنکو اب مرحوم کہنا پڑتا ہے) کی بعض تحریرون کا گلہ کیا گیا تھا، ابھی وہ رسالہ چھپکر تیار ہی ہوا تھا کہ کلکتہ سے اُن کی اچانک وفات کی خبر آئی، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے، اور اپنی مغفرت سے سرفراز کرے، اُن کے قلم سے گو ایسی باتین مستشرقین یورپ کی ترجمانی مین اکثر نکلتی رہین، تاہم اُن کی ایسی پرجوش مخالفت قوم مین پہلے کبھی نہین ہوئی جیسی اس دفعہ ہوئی، اور اس کے اثر کے سامنے اُن کو مجبوراً مسلم آوٹ لک لاہور مین اپنا معذرت نامہ شائع کرنا پڑا، جس مین محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ اپنی گہری عقیدت اور مستشرقانہ الزامات کی بے حقیقتی کا اعتراف، اور ان کے جوابات کے لئے اپنی بعض تصنیفات کا حوالہ درج تھا، کس کو خبر تھی کہ ان کا یہ معذرت نامہ حقیقت مین ان کی پوری عمر کا آخری توبہ نامہ ثابت ہوگا، لیکن حسن خاتمہ کی توفیق دینے والے کی حکمتون اور مصلحتون کو کون سمجھ سکتا ہے؟

بدان را بہ نیکان بہ بخشد کریم،

ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیون کے عربی درجون کے طالب علمون کے لئے پروفیسر نکلسن کی لٹریری ہسٹری آف عربیا بطور مقرر ہے، پروفیسر موصوف اپنے کو صوفی یا صوفی پسند کہتے ہین، اور صوفیون کا حال یہ ہے کہ بحکم الصوفی لا مذھب لہ، وہ آزاد وار ہوتا ہے کہ مذاہب مختلفہ کے فروعی اختلافات کو بھلا کر ان کی متحد حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھتا ہے، اور گبر و ترسا اور یہودی و محمدی سب کو برابر جانتا ہے،

لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ صوفیت یا صوفیت پسندی کے ادعا کے باوجود نکلسن صاحب نے اپنی یہ کتاب بیحد متعصبانہ لکھی ہے، اور چند باب تو اس مین ایسے لکھے ہین کہ مذہب تو الگ رہا، ان کے علم و فضل کا راز سربستہ بھی ان سے منکشف ہو جاتا ہے،

مذہبی حیثیت کو الگ کرکے بھی دیکھا جائے تو اپنے موضوع پر یہ کتاب نہایت ناکام ہے، اس سے اچھی کتابین آج کل مصر مین عربی مین لکھی گئی ہین، بلکہ خود ہمارے ملک کے انگریزی دان اہل علم توجہ کرین، تو خود لکھ سکتے ہین، مولوی محمد شفیع صاحب لاہور، ڈاکٹر صدیقی اور ڈاکٹر زبید احمد الہ آباد، ڈاکٹر عظیم الدین پٹنہ، اور ڈاکٹر عبد الحق عثمانیہ حیدر آباد اگر توجہ کرین، تو کوئی بڑی بات نہین، ہم کو ان دوستون کی خدمت مین گذارش کرنا ہے کہ

وقت آن ست کہ ما چارہ گر خویش شویم،

مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اکثر عربی مین ہین، جن سے عربی سے ناواقف حضرات فائدہ نہین اٹھا سکتے تھے، لیکن مسرت کا مقام ہے کہ ان کے پڑے ہوئے مسودون مین سورۂ اخلاص (سورۂ قل ہو اللہ احد) کی تفسیر اُن کے قلم سے اردو مین لکھی ہوئی مل گئی، اور وہ چھپ کر اب تیار ہو گئی ہے، یہ گو اپنے مضمون پر مختصر رسالہ ہے، مگر چونکہ یہ سورۂ پاک قرآن کی جان اور ایک ثلث قرآن کے برابر ہے، اس لئے اس کی تفسیر بھی روح تفسیر اور ایک ثلث تفسیر کے برابر ہے، تجویز ہے کہ اسی رسالہ کی قیمت سے مولانا مرحوم کی دوسری تصنیفات کی اشاعت کا سامان کیا جائے، اس بنا پر اس رسالہ کی خریداری مزید ثواب کا باعث ہے، باوجود عمدہ کاغذ اور اچھی لکھائی چھپائی کے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے، یعنی ۵/ امید ہے کہ اہل ایمان اس کی پوری قدر کرین گے، اور حسب توفیق اس کے متعدد نسخے خرید کر دوستون عزیزون اور غیر مسلمانون مین تقسیم کرین گے،

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کی طرف سے **کانفرنس گزٹ** کے نام جو پندرہ روزہ صحیفہ شایع ہوتا ہے، ہم بمسرت تمام اس کا اظہار کرتے ہین کہ اس کو عزیز بھائی مولانا **اکرام اللہ خان** ندوی جس سنجیدگی، متانت، اصابت رائے، نکتہ دری اور صحیح الخیالی سے مرتب کر رہے ہین، اسکی قدر جسقدر کیجائے کم ہے، اس عہد مین جب مسلمان صرف جوش و خروش اور سطحیت کے دام فریب مین گرفتار ہین، قوم کے عروج و ترقی کے اسباب و موانع پر اس صحت، فکر عمیق، اور دیدہ دری سے بحث کرنا، اور صحیح راستون کو تلاش کرکے پیش کرنا، مستحق تحسین ہے، ہم کو معلوم ہر کہ اس کے باوجود اس رسالہ کی خریداری اتنی نہین کہ وہ قائم رہ سکے، تاہم کانفرنس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ بہرحال اسکو جاری رکھیگی، کانفرنس کا یہ فیصلہ کتنا ہی فیاضانہ سہی، مگر کیا مسلمانون مین سنجیدہ طبقہ کے افراد کی اتنی تعداد بھی نہین کہ ایک آل انڈیا مجلس کے پندرہ روزہ صحیفہ کو باقی رکھ سکین؟

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن جو مشرق مین اپنی طرز کی واحد علمی مجلس ہے، اور جس نے عربی زبان کی قدیم تصنیفات کی حفاظت اور انکی طبع و اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے، اور بیسیون قدیم ضخیم عربی کتابون کو تلف و بربادی سے بچاکر ارباب علم کے ہاتھون تک پہنچایا ہے، نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم کے بعد اُس کی صدارت نواب صدر یار جنگ مولانا شروانی کے حصہ مین آئی تھی، دو سال ہوئے کہ وہ اب اپنے منصب سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن واپس تشریف لائے، تو ارکان دائرہ نے اُن کی جگہ پر نواب محمد یار جنگ بہادر کو اس کی صدر نشینی کے لئے منتخب کیا، یہ انتخاب ہر طرح موزون و مستحسن تھا، اب موجودہ صدر نشین یہ چاہتے ہین کہ کم از کم بیس سالون کیلئے اس مجلس کے پاس قابل اشاعت کتابون کی فہرست تیار ہوجائے جس کے مطابق آیندہ کام چلتا رہے، چنانچہ دائرہ کے ایک ذمہ دار رکن مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے وہ فہرست تیار کی ہے، اور دیگر اہل علم کے مشورہ کے لئے معارف مین شایع ہورہی ہے،

مقالات

ایمان

بطور اساس ملت اور بنیاد عمل کے

مذہب کس چیز کا نام ہے، ایک نظام زندگی کا، دنیا کی وہ تمام عظیم الشان قومین جنھون نے دنیا مین کوئی بڑا کام کیا ہے، یا جو دنیا مین کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہین، اُن کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ اپنے پورے نظام ہستی کو کسی ایک قانون پر مبنی کرین اور اپنی تمام منتشر قوتون کو کسی ایک اصول کے تحت مجتمع کرین، زندگی کے سیکڑون شعبے اور بقاے ہستی اور ترقی کے ہزارہا شاخ در شاخ اعمال جو دیکھنے مین تمام تر منتشر، پراگندہ، متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہین، ان سب کے درمیان ایک نظام، ایک متحدہ اصول، ایک جامعیت پیدا کرین، جس کا شیرازہ ان متفرق و پراگندہ اوراق کو ایک منتظم کتاب بنادے،

دیکھو کہ دنیا جب سے بنی ہے، اس وقت سے لیکر آج تک ہزارہا قومین پیدا ہوئین اور مری ہین، لیکن کسی قوم نے اس وقت تک ترقی نہین کی ہے جب تک اس کے اندر اس کی زندگی کا کوئی نظام نہین پیدا ہوا ہے، اور کسی واحد متخیلہ نے ان کے اندر یہ اہمیت نہین پیدا کرلی ہے، کہ وہ اس کے تمام افراد کی زندگی کی غرض و غایت، اور اس کے تمام اعمال کا مرکز و مرجع، اور جہت و قبلہ نہ بن گیا ہو، وہی واحد متخیلہ بڑھکر واحد جماعت، اور اس سے بھی زیادہ پھیل کر ایک واحد قوم کی تخلیق و تکوین کرتا ہے،

ہم اس کو ایک مثال مین سمجھانا چاہتے ہین، روم کی سلطنت کا آغاز ایک گاؤن سے ہوا، اوّل [illegible] یہ نقطہ بڑھتا گیا، یہان تک کہ صدیون مین ایک عظیم الشان دائرہ بن گیا، اس دائرہ کا نقطۂ خیال

مرکزِ اتحاد، جہتِ اشتراک، اساسِ جامعیت "رومیت" قرار پائی، جس نے رومیت کے اصول کو تسلیم کیا، اُس کو شہر روم کے باشندون کے حقوق عطا ہوئے، اور جس نے قبول نہ کیا، یا جس کو یہ شرف خود رومیون نے عطا نہین کیا، وہ اُن حقوق سے محروم رہا، صدیون تک یہ رومیت، رومی قوم کی زندگی کا شعلۂ حیات رہی، اور اسی کی روشنی سے پورا رومن ایمپائر اسپین سے لیکر شام تک جگمگاتا رہا، مگر جیسے جیسے یہ روشنی ماند پڑتی گئی اندھیرا چھاتا گیا اور جیسے جیسے رومی عمارت کی یہ مستحکم بنیاد کمزور پڑتی گئی، ڈھتی گئی یہان تک کہ ایک دن یہ عمارت گرگر زمین کے برابر ہوگئی،

الغرض قومون کی موت وحیات کسی ایک "متخیلہ" کی موت وحیات پر موقوف ہے، جس کی زندگی ہے اُن کی زندگی، اور جس کی موت سے اُن کی موت ہے، گذشتہ جنگ مین تم سمجھتے تھے کہ انگریز جرمن، یا جرمن انگریز سے لڑرہے ہین، نہین، انگریزیت جرمنیت سے یا جرمنیت انگریزیت سے لڑرہی تھی، قوم ایک قوم سے نہین لڑتی ہے، بلکہ ایک یقینی تخیل دوسرے یقینی تخیل سے لڑتا ہے،

قوم کی زندگی کا وہ یقینی تخیل اُس کے تمام کامون کی اساس وبنیاد بنجاتی ہے، پوری قوم اور قوم کے تمام افراد اُس ایک نقطہ پر جمع ہوجاتے ہین، وہ نقطۂ ما سکہ ان کی پوری زندگی کا محور بنجاتا ہے، اُسی ایک تخیل کا رشتہ منتشر افراد کو بھائی بھائی بناکر ایک قوم کے مشترکہ افراد ترتیب دیتا ہے، اور ایک واحد متحد منتظم اور قوی قوم بناکر کھڑا کردیتا ہے،

جب کبھی دو قومون کا مقابلہ ہوگا تو ہمیشہ اُس قوم کو فتح ہوگی جس کا نقطۂ تخیل زبردست ہوگا، اور جس کے افراد اُس رشتۂ حیات مین سب سے زیادہ مستحکم بندھے ہون گے، اور جو اپنے اُس مشترک اساس وبنیاد پر سب سے زیادہ متفق ومتحد ہون گے، عربون نے اسی قوت سے قیصر وکسریٰ کو شکست فاش دی، عربون کے پاس ایرانیون کے خزانے اور نہ رومیون کے اسلحہ تھے، مگر ان کے پاس وہ قوت ایمانی تھی جس سے ایرانی اور رومی محروم تھے،

جب کوئی قوم تنزل پذیر ہوتی ہے تو اس کی وہی قوت ایمانی کمزور ہوجاتی ہے، اُس کی وہی مشترک

اساس وبنیاد منہدم ہونے لگتی ہے، اور قوم کی زندگی کا مقصد اس مشترکہ قومی غرض وغایت سے ہٹکر اپنے اپنے نفس، اپنے اپنے خاندان اپنی اپنی جماعت مین بٹجاتا ہے، اس لئے اس مین قومی خائن پیدا ہوتے جن کے پیش نظر اُس مشترکہ جامعیت کے فوائد ونقصانات کے بجائے خود اپنی ذات وخاندان کا فائدہ ونقصان ہوتا ہے،

مٹھی بھر انگریزون نے اسی ہندوستان کے روپے سے، ہندوستان کے سپاہیون سے خود ہندوستان کو فتح کیا، حالانکہ اُس وقت پورے ملک مین اودھ، روہیلکھنڈ، بنگال، مرہٹہ، میسور، حیدرآباد کی ایسی عظیم الشان طاقتین تھین جن کے بس مین تھا کہ انگریزون کو پوری طرح شکست دیدین، مگر ایسا نہ ہوسکا اس لئے کہ انگریزون کے سامنے ایک متحدہ مشترکہ تخیل تھا جس پر پوری قوم متفق تھی، جو انگریز جہان بھی تھا خواہ وہ سپاہی ہو، یا گودام کا کلرک ہو، یا سوداگر ہو، یا ڈاکٹر ہو، یا جنرل ہو یا گورنر ہو، ہر ایک کے سامنے ایک ہی بلند مقصد تھا، اور وہ انگلستان کی سربلندی اور عظمت، لیکن ہندوستانیون کے سامنے باوجود طاقت وقوت کے کوئی ایک متحدہ غرض، مشترکہ جامعیت، واحد اساس کار اور بنیادِ عمل نہ تھی، جس کا بچاؤ جس کی حفاظت، اور جس کا اعلا پوری قوم کی غرض وغایت اور بنیاد ِاساس ہوتی، ہر نواب، ہر رئیس، ہر سپہ سالار، ہر سپاہی اور ہر نوکر کا مقصد اپنی فکر اور اپنی ترقی تھی، اس حالت مین نتیجہ معلوم.

اب ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے، دنیا کی ہر متمدن قوم کے پورے نظام زندگی کا ایک اصل الاصول ہوتا ہے، فرض کرو کہ آج روسی بالشویسٹ کے پورے نظام کا ایک واحد نقطۂ خیال ہے، اور وہ "سرمایہ داری کی مخالفت" ہے جو اس نظام کی اصل اساس ہے، اب جس قدر اس نظام کی شاخین، شعبے، صیغے اور کام ہین، سب ایک اصل الاصول یعنی "سرمایہ داری کی مخالفت" پر مبنی ہین، اسی طرح ہر ترقی یافتہ قوم کے تمدن او نظام ہستی کا ایک اصولی نقطہ ہوتا ہے، جس کے تحت مین

اس تمدن اور نظامِ ہستی کے تمام شعبے اور فروع ہوتے ہین،

آج انگریزی تمدن کی بنیاد انگریزی سرمایہ داری اور فرنچ تمدن کی بنیاد فرنچ سرمایہ داری اور امریکن تمدن کی بنیاد امریکن سرمایہ داری ہے، اگر کسی تمدن اور نظام کا یہ سرا نکال دیا جائے، تو اس تمدن کے تمام اجزا اور اس نظام کے پورے شعبے بے معنی بیہودہ اور بے اساس ہوکر رہجاتے ہین، اور چند ہی روز مین وہ تمام سررشتے تارِ عنکبوت ہوکر نابود ہوجائین،

ہر قومی تمدن اور نظامِ ملت کو سمجھنے کے لئے اس کے اس اساس کا، سررشتۂ خیال اور اصل اصول کو سمجھنا چاہیے، جب تک وہ سرا ہاتھ نہ آئیگا اس نظامِ ملت کا الجھاؤ سلجھ نہین سکتا،

یہان ایک اور نکتہ بھی پیشِ نظر رہے، کسی ملت و قومیت کا یہ سرمایہ تعمیر ہر کس و ناکس کا ممنون عمل نہین ہوسکتا، بلکہ اسی شخصیتِ کاملہ کا جس کے دستِ صناع نے اس ملت و قومیت کی یہ عمارت تعمیر کی ہے اس نے جس مسالہ سے اس عمارت کو بنایا ہے، وہی مسالہ اُسکی مضبوطی، استواری اور استحکام کا ذمہ دار ہے، جب کبھی اس عمارت کی تجدید و اصلاح و مرمت کی ضرورت پیش آئیگی، وہی مسالہ یا اسی قسم کا مسالہ اسکے اس کام کے لئے مہیا کرنا ضروری ہے، اگر کوئی دوسرا مسالہ اسمین لگایا جائیگا تو وہ اسوقت تک اس کیلئے بیکار ہوگا جب تک کہ کوئی اسکو ڈھاکر دوسری عمارت اس مسالہ سے نہ بنادے،

جس طرح ہر فرد کی الگ الگ ایک فطرت ہوتی ہے جو والدین سے اسکو ترکہ مین ملتی ہے، اور جو عموماً بدلتی نہین، اسی طرح ہر قوم و ملت کی بھی ایک فطرت ہوتی ہے، جو نسلاً بعد نسلٍ خلف کو سلف سے اور اگلون سے پچھلون کو وراثت مین ملتی ہے، اور وہ بھی بدل نہین سکتی، اس فطرت کا مایۂ خمیر وہی ایمانیات و یقینیات ہوتے ہین جو اس ملت و قومیت کے بانی کے ہاتھون اس کے اسلاف کو سپرد ہوتے تھے، اور وہ نسلاً بعد نسلٍ تواتر ایک دوسری پشت کو منتقل ہوتے رہے،

دنیا مین ہزارون ملتین اور قومیتین ہین، لیکن ان مین سے ہر ملت و قومیت کا اصل انفرادی

تشخص اور امتیازی وجود گوشت پوست ہڈی اور رنگ و روغن سے نہین یہ تو اوپری سطح اور ظاہری قشر پر کے نشانات اور خطوط ہین، اُن کا اصل انفرادی اور مستقل تشخص اور امتیازی وجود، اُن ایمانیات و یقینیات سے ہے، جو ہر ایک کے دل مین بسے اور ہر ایک کے رگ و ریشہ مین رچے ہوئے ہین،

آج ہندوستان مین ہندو مسلمان، عیسائی، پارسی، جین سکھ، ہزارون قومین آباد ہین، شکل و صورت اور رنگ روپ کے لحاظ سے ان مین کوئی تفاوت نہین، اگر ہے تو ہر ایک کے اس تخیلہ مین ہے جس سے اس کی ملت کی تعمیر ہوئی ہے، اس لئے کسی ملت کے تخیلہ کو بدل دینے کے معنی اُس ملت کو مٹا دینے کے مرادف ہے، دنیا مین جو کچھ قومین فنا ہوئی ہین، ان کی صورت یہی ہوئی ہے کہ انھون نے اپنا تخیلۂ ایمانی چھوڑ کر کسی دوسری طاقتور قوم کے تخیلۂ ایمانی کو قبول کرلیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم مٹ گئی اور دوسری قوم مین ضم ہوکر وہ خود فنا ہوگئی، ہندوستان کے یونانی سیتھین، اور بودھ کیا ہوئے؟ ایرانی ہندوؤن مین سماگئے، ایران کے مجوسی کدھر گئے، مسلمانون مین مل گئے، مصر کے قبطی کہان گئے، عربون مین شامل ہوگئے، سسلی اور اسپین کے عرب کیا ہوئے؟ اٹلی اور اسپین والون مین گھل گئے، اس لئے ملت کے وجود کے لئے ایک کامل تخیلۂ ایمان کے تغیر اور تبدل کا مسئلہ اتنا آسان نہین، جتنا ایک ظاہر بین سطح پرست کو نظر آتا ہے،

کسی قوم و ملت کی یہ تعمیری حقیقت، صرف اسی لئے ضروری نہین، کہ وہ ہے، اور وہ اس سے بنی ہے بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی تجدید و اصلاح کی جب کبھی ضرورت پیش آئے تو اسی حقیقت کا واقف کار اسی کے ذریعہ سے اس کی تجدید و مرمت کرے، اوس کی وہ تعمیری حقیقت وہ ساز ہوتا ہے جس کے چھیڑنے سے اس قومیت و ملت کا ہر تار اپنی جگہ پر حرکت کرنے لگتا ہے، اہل توحید کے لئے توحید کی آواز، اہل صلیب کے لئے صلیب کی پکار، گاؤپرست کے لئے گاے کی آواز سحر و طلسم

کا حکم رکھتی ہے، جس سے ایک لمحہ مین قوم کی قوم مین جان پڑجاتی ہے اور سست وناکارہ قوم بھی کروٹین بدلنے لگتی ہے، اور آواز کی طاقت کے مطابق سرگرم عمل ہوجاتی ہے،

فرض کرو دنیا مین آج چالیس کرور کی تعداد مین ایک ملت آباد ہے، جس کا نام مسلمان ہے، اس ملت کی حقیقت قومی کیا ہے؟ توحید الٰہی اور رسالت محمدی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ اگر کوئی اس ملت کی اس حقیقت تعمیری کو مٹا ڈالے تو یہ چالیس کرور ملتِ واحدہ، چالیس کرور قومیون مین منقسم ہوکر دم کے دم مین فنا ہوجائیگی، اور یہ چالیس کرور افراد کا کاروان جو ایک صدائے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جرس پر حرکت کر رہا تھا، اب اس کی حرکت کے لئے مختلف آوازون کے چالیس جرسون کی ضرورت پیش آئے گی جس سے دنیا کی قومون کا تصادم بجائے کم ہونے کے حدِ قیاس سے زیادہ بڑھ جائیگا، اور ان کے باہمی جنگ وجدل کو کوئی ایک متحدہ آواز روک نہین سکتی،

الغرض ملت کی یہ تعمیری حقیقت، ہر ملت کی روح ہوتی ہے، اسی کی بقا سے اس کی زندگی اور اسی کی موت سے اس کی فنا ہوتی ہے، یہی ملت کے جسم کا گرم خون ہوتی ہے، جس سے رگ رگ مین زندگی کی لہر دوڑتی اور سعی وعمل کی قوت بیدار ہوتی ہے،

اب اگر کوئی ناآشنائے راز، کسی قوم کی اس تعمیری حقیقت کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ ہمالیہ سے سر ٹکراتا، اور سمندر کا رخ پھیرنا چاہتا ہے، جسمین وہ کبھی کامیاب نہین ہوسکتا، ہان یہ ممکن ہے کہ قوم وملت کے رہے سہے نظام اتحاد اور رشتۂ اشتراک کو اور درہم وبرہم کردے، اور کچھ افراد کو اپنی غلط دعوت وتبلیغ کے اثر سے ایک علٰحدہ جماعت بنالے، اور چھوٹی سی ایک نئی ملت کی بنیاد ڈالے،

کسی قوم کی اسی اساسِ ملت، اور بنیادِ تعمیر کا نام اُس کا ایمان ہے، فرض کرو کہ ایک ہندو قوم ہے، اس کی قومیت کی بنیاد، وہ خاص تخیلات وجذبات ہین، جو ہزارہا سال سے اس مین پیدا

ہوکر اس کی حقیقت کے اجزا بن گئے ہین، ذات پات، چھوت چھات، گائے اور گنگا، وہ سہارے ہین، جن سے اس کی قومیت کی تعمیر ہوئی ہے، بودھ کے عہد سے آج تک مختلف وقتون مین بیسیون ریفارمر اس قوم مین پیدا ہوئے، جنھون نے اس قوم کی ماہیت کے ان اجزا کو بدل دینا چاہا ہے، مگر کیا یہ آج تک ممکن ہوا؟ اور جب کبھی اس آواز مین عارضی کامیابی بھی ہوئی، تو بودھ، جین، کبیر پنتھی، سکھ قومین الگ الگ بن گئین، مگر ہندو قومیت اپنی جگہ پر قائم رہی،

اسی طرح ملتِ اسلامیہ کی بنیاد توحید ورسالت اور تعلیم محمدی کی بنیاد پر ہے، اب اگر کوئی شخص اس بنیاد کو اکھاڑنا چاہتا ہے، تو حقیقت مین وہ ملتِ اسلامیہ ہی کی بنیاد کو ہٹانا چاہتا ہے اور سرے سے اسی عمارت ہی کو گرا دینا چاہتا ہے،

غرض دنیا مین ہر قوم وملت کی تعمیر کسی نہ کسی اساس پر ہے، جس کو دوسرے لفظون مین یون کہو کہ کسی نہ کسی اصولِ ایمان پر ہے، جس کی بقا سے اس کی بقا اور جس کی فنا سے اس کی فنا ہے،

اب اس تشریح کے بعد اس کے تسلیم کرنے مین کسی کو عذر نہ ہوگا کہ دنیا مین کوئی ترقی یافتہ قوم یا ترقی چاہنے والی قوم ممکن ہی نہین، جس کے پاس چند ایمانیات نہ ہون، یا یون کہو کہ چند اصول افکار اصول حیات، یا اصول نظام نہ ہون، جن سے اس کی قومیت کی تخلیق ہوتی ہے، اور جن پر اسکی ملت وتمدن وحیاتِ اجتماعی کی عمارت قائم ہوتی ہے، اور جو اس کے منتشر افراد کے درمیان رشتۂ اشتراک کا کام دیتے ہین، اور جن کے تحت مین اس قوم کے نظام حیات کے تمام شعبے مکمل ہوتے ہین، یہان تک کہ کافر ومشرک قومین بھی اس سے خالی نہین ہین، ان کے بھی تمام اعمال و افعال انکے چند یقینی تخیلات اور عقائد ہی کے تحت مین آجاتے ہین، اس حالت مین یہ کہنا کہ ایمانیات کے بغیر ترقی کے حسن عمل یا انسانیت کی نیکی کردار کا وجود ہوتا ہے، حقائق سے نامحرمی کا ثبوت دینا ہے، ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کیا، بلکہ نفس عمل اور نفس کردار ہی کا وجود ممکن نہین، آپ

اگر بحث ہو سکتی ہے، تو اس مین نہین کہ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود ہو سکتا ہے، یا نہین، بلکہ اسمین کہ اِن ایمانیات کے تحت مین حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود زیادہ بہتر ہو سکتا ہے، یا اُن ایمانیات کے تحت مین؟ لیکن یہ نہین کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی "ایمان" کے بغیر کوئی عمل کبھی نظام حیات کے بغیر کوئی بلند کارنامہ حیات، اور کسی بنیاد کے بغیر کوئی مستحکم عمارت قائم ہو سکتی ہے، تم اس کا نام انسانیت رکھو، قومیت رکھو، وطنیت رکھو، یا نشوازم رکھو، بت پرستی رکھو، یا توحید و خداشناسی رکھو، جو چاہے رکھو اور جو چاہے قرار دو، مگر بہرحال یہ مقدمہ اپنی جگہ پر مسلم ہے، کہ "ایمان" کے بغیر "عمل صالح" کا وجود ممکن ہی نہین،

اب سوال یہ ہے کہ ہمارا وہ اساسی خیال جس پر ہماری ملت کی بنیاد ہو، اور جو ہمارے تمام اعمال کا سرچشمہ بنے کیا ہونا چاہئے؟

دنیا کی قومون نے اساس ملت کی بنیاد جغرافی حدود، اور نسلی خصوصیت کو قرار دیا، رومیون کی ہزار سالہ حکومت رومی وطنیت کے سہارے پر قائم رہی، ہندوون، پارسیون اور یہودیون کی قومیت نسلی امتیاز پر مبنی ہے، یورپ کی موجودہ قومیتین، نسل و وطن کی دوہری دیوارون پر کھڑی ہین، لیکن غور کرو کہ جغرافی حدود اور نسلی و وطنی خصوصیات نے قومون کو کتنا دلتنگ، محدود خیال اور متعصب بنا دیا ہے، دنیا کی اکثر خونریزیان اور لڑائیان اور قومی منافرتین، انھین جذبات نے پیدا کی ہین، قدیم تاریخ مین ایران و روم کی صد سالہ جنگ اور خود یورپ کی گذشتہ عالمگیر جنگ جسمین انسانون نے انسانون کو درندون کی طرح چیرا اور پھاڑا، اسی نسلی و وطنی جذبات کی شعلہ افروزی تھی،

پھر نسلی و وطنی افتراق قومون کے درمیان وہ خلیج ہے، جس کو انسانون کے ہاتھ کبھی پاٹ نہین سکتے، بلکہ خود دست فطرت اس کو پاٹنے کے بجائے اس کے بڑھانے مین کوشان رہتا ہے، نہ تو فطرۃً کسی نسل و قومیت کا کوئی پیدا شدہ انسان دوسری نسل و قومیت مین داخل ہو سکتا ہے، اور نہ ایک مقام

کا پیدا شدہ دوسرے مقام کا پیدا شدہ بن سکتا ہے،

پھر ان دونون کے دائرے اس مضبوطی سے فطرۃً محدود ہین، کہ ان کے اندر تمام دنیا تو کیا، چند قومون کے سمانے کی بھی وسعت نہین ہے، ان دونون کے جذبات و احساسات صرف ایک مختصر و محدود قوم کی جامعیت کا کام دے سکتے ہین،

پھر ان دونون محدود تصورات کے ذریعہ سے اگر انسانون مین کچھ شریفانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہین تو وہ انھین تنگ جغرافی و نسلی دائرون تک محدود رہین گے، اور کبھی تمام دنیا کے اس کے اندر سما جانے کا تصور بھی نہین کیا جا سکتا، علاوہ ازین ان اساسی تصورات کے ذریعہ جن بلند انسانی اخلاق اور کیرکٹر کا پیدا کرنا مقصود ہے، اُن مین سے صرف نسل و وطن کی حفاظت کی خاطر شجاعت، ایثار اور قربانی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہین، مگر عمومی نیکی، تواضع، خاکساری، رحم، شفقت، عفت، صدق، امانت وغیرہ سیکڑون ایجابی اور سلبی اخلاق ہین، جو ان کے ذریعہ نہ کبھی پیدا ہوئے ہین، نہ ہو سکتے ہین،

آج کل کے یورپین ارباب فکر نے اس نکتہ کو پا لیا ہے، اور یورپ کی تمام جنگ و جدل اور باہمی ہنگامہ آرائی اور تقابل کا وہ پتھر جس سے ان کی دولت اور تہذیب و تمدن کا شیشہ چور چور ہو رہا ہے اسی تنگ و محدود وطنیت و قومیت کو قرار دیا ہے، اور سمجھ لیا ہے کہ یہی وہ دیوتا ہے جس کی یورپ کی تمام قومین بھینٹ چڑھ رہی ہین، ہر قوم کے تمام دولتمندون کی دولتین، تمام عالمون کا علم، تمام سائنس دانون کی سائنس، تمام صناعون کی صنعتین، تمام موجدون کی ایجادین، اپنی قوم کے سوا دنیا کی دوسری انسانی قومون کی گرفتاری، محکومی، بربادی اور ہلاکت مین صرف ہو رہی ہین، اس لئے انھون نے چاہا ہے کہ وطنیت و نسلیت کی محدود تنگنائیون سے نکال کر، انسانیت اور انسانیت پرستی کی وسعت آباد مین لے آئین، مگر یہ ایسا غیر فطری خیال ہے کہ ان ہیومنٹیرینس (انسانیت پرستون) کی تعداد انگلی پر گنی جا سکتی ہے، اور ہنوز خود ان واعظین کے حلق کے اندر یہ چیز فرو نہین ہوئی اور ابتک ایک مختصر

سوسائٹی کے افراد کے سوا جو بطور نئے فیشن کے اس مین شریک ہین، کسی انسانی دل کی گہرائی تک اس نے رسائی نہین حاصل کی،

سوشلزم اور بالشوازم اور دوسرے اقتصادی خیالات سے بھی بھلائی کی توقع نہین کہ اسنے خود انسانون کو سرمایہ دار اور غیر سرمایہ دار دو مختلف حصون مین تقسیم کرکے وہ سب کچھ کیا ہے اور کرنا چاہتی ہے، جو کبھی مذہب اور مذہبی محکمہ تفتیش نے انجام دیا ہے، قومون کے ساتھ ان کی ناانصافی کا تماشا ابھی تک دنیا ترکستان سے لیکر آذربائیجان تک دیکھ رہی ہے، اگر زبردستی کوئی بری چیز ہے، تو مذہب سے زبردستی روکنا بھی اُتنی ہی بُری چیز ہے، جتنا زبردستی مذہب پھیلانا، اگر مسلمانون کا گرجاؤن کو توڑنا اور عیسائیون کا مسجدون کو منہدم کرنا ناجائز ہے، تو ملحدون کا ان دونون کو مسمار کرنا بھی ناجائز ہے،

پھر ان تخیلات مین جنکی بنیاد محض پیٹ اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہے، کسی اخلاقی نصب العین بننے کی کوئی صلاحیت نہین ہے، اسی لئے انکا محدود نظریہ نظامِ ہستی اور نظامِ زندگی کا معما حل نہین کرسکتا، اگر کرسکتا ہے، یا کرنے کا دعویٰ کرسکتا ہے، تو وہ صرف نظامِ معشیت ہے، اور باایں ہمہ یہ فیصلہ ابھی باقی ہے، کہ یہ چیز ایک جماعت، یا ایک قوم سے بڑھکر پوری دنیا کے لئے سایۂ رحمت بن بھی سکتی ہے؟

ان سب کے ماورا یہ ہے کہ ضرورت یہ ہے کہ نسلیت و وطنیت کے تنگ دائرون سے نکل کر جس عمومی تصور کو اساسِ ملت بنایا جائے، اُس مین بقا اور دوام کی صلاحیت ہو، سوسائٹیان اور جماعتین جنکی بنیاد کسی مادی خود غرضی اور منفعت اندوزی پر رکھی جائے وہ قائم نہین رہ سکتین، چنانچہ جب سے دنیا بنی ہے، خدا جانے مادی اغراض کی بنا پر کتنی جماعتین اور مجلسین قائم ہوئین اور مٹ گئین، انجمنین روز بنتی اور بگڑتی ہین، اور سوسائٹیان روز پیدا ہوتی اور مرتی ہین، ایسی ناپائدار اور سطحی چیزین قومیت و ملت کی بنیاد اور اساس نہین بن سکتی ہین، اور نہ وہ ہمارے عمل کا اصول اور معیار قرار پاسکتی ہین،

غرض عالمگیر عمومی اور دائمی اساسِ ملت اور صحیح بنیادِ عمل بننے کے لئے ضروری ہے، کہ جو چیز اساس و بنیاد قرار دیجائے، اس مین حسب ذیل خصوصیتین ہون،

۱- وہ کوئی مادی غرض و غایت کی چیز نہ ہو جو ہمیشہ بدل جاتی رہی،

۲- وہ کوئی محدود وطنی، نسلی بت نہ ہو، جو اپنے وطن و نسل سے باہر جاکر زندہ نہ رہ سکے،

۳- وہ قومی نسلی اور وطنی منافرتون اور تفرقون کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر عالمگیر اتحاد اور اخوت کی بنیاد ڈال سکے،

۴- وہ تخیل عقیدہ بن کر ہمارے نیک افعال کا محرک اور برے افعال کا مانع بنے، وہ انسانون کو نیکی کے لئے ابھار سکے اور برائی سے روک سکے،

۵- وہ ایک ایسا دائمی صحیح اور سچا عقیدہ ہو جس کو مان کر اس برادری مین داخل ہونے مین کسی کو دقت نہ ہو،

۶- وہ ایک طرف بندون مین اپنے خالق کے ساتھ گرویدگی اور بندگی کا تعلق پیدا کرے اور دوسری طرف اپنی ہم جنس مخلوقات کے ساتھ محبت اور ادائے حقوق کا جذبہ پیدا کرے،

"باقی"

مآثر نظامی

یعنے

سوانح حیات آصفجاہ

از

جناب محمد سراج الدین صاحب طالب حیدرآباد دکن

یہ لالہ منارام کی ایک کمیاب اور نادر الوجود تصنیف ہے، منارام آصفجاہی، بھوانی داس غازی الدین خانی کے فرزند، بالکشن عابد خانی کے پوتے اور پچھمی نارائن شفیق کے والد تھے، فانی تخلص کرتے تھے،

بھوانی داس عہد عالمگیری مین لاہور سے شاہی لشکر کے ہمراہ دکن آئے اور اورنگ آباد مین اقامت اختیار کی، منارام اپنے والد کے انتقال کے وقت دس برس کے تھے، ان کے والد کے انتقال کے بعد ان کے اعزہ مین اور کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا، جو ان کی پرورش کا بار اٹھاتا، اس لئے ان کے ہمقوم لالہ جسونت رائے نے ان کی پرورش و پرداخت اپنے ذمہ لی، ان کی تعلیم و تربیت بھی انھین کی سرپرستی مین ہوئی یہ غلام علی آزاد بلگرامی کے عصر مین موجود تھے، ان کی لیاقت استعداد کی بنا پر انھون نے ان کی ملازمت کے لئے دیوان وقت صمصام الدولہ شاہنواز خان سے سفارش کی چنانچہ ان کی سفارش پر وہ دکن کے بخشی الممالک کی پیشکاری کی خدمت پر عرصہ تک مامور دکار گذار رہے، اس کے علاوہ انھون نے دکن کے صوبہ جات کی پیشکاری کی خدمت بھی مغفرت مآب آصفجاہ اول کے عہد مین انجام دی ہے، بہر حال یہ اور ان کے باپ دادا تقریباً پچاس سال

سرکار دولتمدار مین برسر ملازمت رہے،

دربار آصفی سے اپنے انھین آبائی تعلقات کی بنا پر انھون نے تاریخ دکن کے مطالعہ کرنیوالون کے لئے جو یادگارین چھوڑی ہین، ان مین ایک تو رسالہ دربار آصفی ہے، اور دوسری مآثر نظامی؛ دربار آصفی مین آصفجاہ کے دربار اور ان کے عہد کے بعض ضوابط و احکام و اخبار درج کئے گئے ہین، یہ رسالہ ۱۳۰۹ھ مین اسد اللہ صاحب عرف میر نواب کی حسن سعی سے طبع ہو چکا ہے، لیکن ابھی تک ان کی دوسری تصنیف مآثر نظامی سے اکثر لوگ ناواقف ہین کہ اس کا شائع ہونا تو کجا اس کے قلمی نسخے بھی بہت کم دیکھنے مین آئے ہین یہان ہم اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہین،

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ دفتر دیوانی و مال علاقہ سرکار عالی کے کتبخانہ مین موجود ہے، جو (۱۲۷۲ھ مین) منشی چھبو لال کے قلم کا تحریر کردہ ہے، یہی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، اس کے دیباچہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صمصام الدولہ شاہنواز خان[1] کی طرح انھون نے بھی زمانہ گوشہ نشینی مین یہ کتاب مرتب کی ہے، یہ آصفجاہ ثانی (میر نظام علیخان) کے عہد مین خدمت سے علٰحدہ ہو کر خلوت گزین ہو گئے تھے، اور اسی عالم تنہائی مین تاریخ و سیر کی کتابون کا مطالعہ شروع کیا، دوران مطالعہ مین کسی امیر کا ایک مسودہ ان کی نظر سے گذرا جو خاندان آصفیہ کے حالات پر مشتمل تھا، اس کو دیکھکر انھین بھی اپنے ان مسودات کو ترتیب دیکر مکمل کر دینے کا خیال پیدا ہوا جنھین وہ قبل ازین کچھ جمع کر چکے تھے چنانچہ انھین مسودات کو ترتیب دیکر ۱۲۰۰ھ مین تیار کیا اور اس کا نام مآثر نظامی رکھا، مولف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اختتام تک اس کو حالت گوشہ نشینی مین انیس ۱۹ سال گذر چکے تھے، لیکن کتاب ختم کرنے کے بعد ہی نظام علیخان اسد جنگ آصفجاہ ثانی کی نوازش و قدردانی

[1] انھون نے اپنی مشہور تاریخ مآثر الامرا، اس زمانہ مین ترتیب دی ہے جبکہ ان پر آصفجاہ کا عتاب تھا، اور اسی بنا پر وہ گوشہ گزین د زاویہ نشین تھے،

سے ان کا ذکر خیر دربار مین آیا، اور یہ یاد فرمائے گئے، اور اسکی یاد فرمائی کے بعد وہ اپنی اسی مختصر تالیف کو لیکر آصفجاہ ثانی کے دربار مین حاضر ہوئے، اور اپنی تالیف پیش کردی،

یہ کتاب مغفرت مآب (آصفجاہ اول) کے سلسلۂ حسب ونسب سے شروع ہوتی ہے، اصل سودہ کا نہ کوئی دیباچہ ہے اور نہ کوئی تمہید جس سے یہ معلوم ہوسکتا کہ کس نے لکھا اور کس وقت اور کس بنا پر لکھا گیا، اس کو لالہ صاحب نے اپنی تصنیف مین شریک کرکے اپنے ہی دیباچہ کے ساتھ اسکا آغاز کردیا ہو، آصفجاہ کے جد مادری کے باب مین اس نے (یعنی مسودہ کے مرتب نے) علامہ سعد اللہ خان کے اکثر واقعات نقل کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سودہ کے مرتب کو علامہ موصوف سے خاص عقیدت تھی، اور ان کے متعلق اچھی معلومات اس کے پاس جمع تھے،

ان دونون باب (سلسلۂ حسب اور نسب) کے ختم کرنے کے بعد آصفجاہ اول کے حالات زندگی پیدائش کے وقت سے شروع کئے ہین،

آصفجاہ اول بادشاہ عالمگیر کے عہد مین پیدا ہوئے ہین، یہ شرف انھین کو حاصل ہے کہ انھون نے کم سنی ہی مین عالمگیر جیسے بادشاہ کے دربار سے مناصب وخدمات پائے، عالمگیر کی ان سرفرازیون کو اس کتاب مین بڑی تفصیل سے دکھایا گیا ہے، آصف جاہ کے حال پر عالمگیر کی وہ عنایت ومرحمت قابل ذکر ہے جو انھون نے اس وقت کی ہے، جب کہ وہ (آصف جاہ) اپنے والد سے کسی امر پر آزردہ خاطر ہوکر دربار شاہی تک پہونچ گئے تھے، اور عالمگیر ان کی اس حرکت سے گو حقیقۃً محظوظ ہوئے، لیکن اپنے اصول وضوابط کے تحت انھون نے ان (آصف جاہ) کو ایک مہینہ تک دربار مین حصول ملازمت وباریابی کی اجازت مرحمت نہین کی، آخر جب اسد خان جمدۃ الملک کے توسل سے وہ شرف اندوز ملازمت ہوئے تو سب سے پہلے عالمگیر نے حکم دیا کہ اپنے والد سے قدمبوس ہوکر معافی چاہین، اور پھر جلد حضور مین حاضر ہون، اس

موقع پر بادشاہ عالمگیر نے اپنے دستخط خاص سے آصف جاہ کے والد فیروز جنگ کو یہ شقہ لکھا کہ:-

"فدوی زادۂ اخلاص پرور چین قلیچ خان بہادر (اے آصفجاہ) میگوید کہ اِن لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ"

اس خاص واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر آصف جاہ کو کتنا چاہتے تھے عالمگیر کی ان پرمعنی عنایتون کی غرض وغایت اس واقعہ سے واضح ہوتی ہے، جو ۴۹ سنہ جلوس عالمگیری مین پیش آیا یعنی یہ کہ واکن کھیڑہ کی تسخیر کے بعد خواجہ اختیار خان (معتمد بادشاہ عالمگیر) حسب الحکم بادشاہ پیغام محلات کے ساتھ آصف جاہ کے پاس آئے اور ایک بادشاہ زادی سے نسبت کی تجویز پیش کی جسپر آصفجاہ انکے ساتھ تقریباً ایک پہر خلوت مین سرگرم گفت وشنید رہے، لیکن اس کے باوجود انھون نے اپنی مآل اندیشی سے اس کو قبول نہ کیا، اور ترک ادب کے عذر پر اپنی عرضی مین بادشاہ سے معذرت چاہی،

بہرحال ایسے واقعون سے آصف جاہ کی شخصیت پر خاص روشنی پڑتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مسودہ کا مرتب کنندہ ابتدائے عہد سے آصف جاہ کے حیات و واقعات کا گہرا مطالعہ کرتا رہا ہے.

آصف جاہ اول شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد مین شش ہزاری وشش ہزار سوار کے منصب اور خطاب خان دوران سے سرفراز ہوئے، اور صوبہ داری اودھ اور فوجداری لکھنؤ پر مامور ہوئے، اس کے بعد انھین کے عہد مین خدمت ومنصب ترک کرکے گوشہ عافیت اختیار کیا، اس کی وجہ اس رسالہ کے اصل مولف نے ان الفاظ مین ظاہر کی ہے:-

"چون فراخ حوصلگی وکشادہ دستی ووسعت خلق بادشاہ کہ سوال احدے رونمی شد در اکثر کارہا افراط وتفریط پدید می آمد ومراتب ومناصب وخطاب را مطلق وقعی ووقرے نماند؟ برگزیدۂ جناب کبریائی (اے آصف جاہ) را عالمگیر بادشاہ موافق مزاج خود تربیت نمودہ بود وکارہائے آن وقت نسبتے بر وجہ عہد عالمگیری نداشت رنجیدہ خاطر وکبیدہ دل شدہ

ترک منصب و نوکری نموده در جہان آباد (ضلع فتحپور) گوشۂ انزوا از بلند ہمتی آباد ساخت ...؛

وہ کہتا ہے، کہ اسی زمانۂ گوشہ نشینی مین آصفجاہ نے اپنا دیوان مرتب کیا ہے، مغفرت مآب نے اپنے اس زمانہ کی خلوت گزینی پر اس زمانہ مین ایک غزل بھی لکھی تھی، جس سے ان کی اس وقت کے خیالات کا پتہ چلتا ہے، ہم اس کو یہان نقل کرتے ہین ؎

به تنہائی اگر الفت نمی کردم چه می کردم　　بخاموشی اگر عادت نمی کردم چه می کردم

تنک شرب نے خوی خویشتن آزار باداز　　زخود گر دفع این خصلت نمی کردم چه میکردم

غم دنیا جہانے را بدام آرزو دارد　　اگر من رم ازین خفت نمی کردم چه میکردم

جدا کردم بزور عشق دل را از غم دنیا　　ازین وادی اگر ہمت نمی کردم چه میکردم

مقام خاکساری دارم و بر بام و در آہم　　بعالم ترک ہر نسبت نمی کردم چه میکردم

تلاش بندگی کردم که جان از دست دل بردم　　چو نامردان اگر طاعت نمی کردم چه میکردم

دل سنگ آب گردد گر بفکر بیش و کم افتد　　چو آصف تکیه بر قسمت نمی کردم چه میکردم

کسی خاص شخص کے احوال کے لکھنے مین بعض وقت ضرورت پیش آتی ہے کہ کسی واقعہ کو بیان کرنے سے پیشتر اس کے متعلقات کو بیان کیا جائے، اور اس وجہ سے اپنے رشتہ داستان (رشتہ) سے کنارہ اور اپنے مقصود سے قطع نظر کرنا پڑتا ہے، اگر اس کی وجہ ظاہر نہ کیجائے تو عام ناظرین اسکو ضعف تالیف تصور کرتی ہین، اس مسودہ کے مرتب کو بھی ایسی صورتین پیش آئی ہین، ایک بار مغفرت مآب (آصف جاہ اول) صوبہ داری سنبھل مرادآباد پر مامور ہوئے، اس کے بعد مورخ ان کے آیندہ حالات کا ذکر کرنے کے عوض حسب ذیل الفاظ مین گریز کرتا ہے،:-

"مقصود اصلی ازین کتاب تسوید احوال و آثار جناب مستطاب است لاکن برائے انتظام و ارتباط سلسلۂ اقتدار و استحکام و انضباط سر رشتہ و وقایع حضور که باہم منوط و مخلوط است داشتن ضرور شد و احوال صوبہ داری حسین علیخان و چوتھ مرہٹہ که مقرر کردۂ بدعت اوست و اکثر ضوابط و روابط بر باد داده و نیز لازم افتاده لہذا عنان اشہب قلم اولاً بترقیم امور عظیمه ضروری معطوف می سازد"

اس تاریخ سے عہد آصف جاہ کی بعض ایسی باتون کا اظہار ہوتا ہے، جنکا ذکر کسی اور تاریخ مین نہین پایا جاتا، ایسے ہی امور ہین جن کی وجہ سے اس کو ایک اہمیت ہے، اور یہی اس موضوع کی اور کتابون پر اس کی ترجیح کا باعث ہے،

ملک عنبر نے اپنے عہد مین سرزمین اورنگ آباد مین ایک نومنزل کی عمارت تعمیر کرائی جو اپنے طبقات کی تعداد کے اعتبار سے "نوکھنڈی" کے نام سے موسوم و معروف ہوگئی، اس کی کئی منزلین بجلی کے صدمہ سے گر گئین، ان کی مکرر تعمیر کے متعلق مورخ موصوف لکھتا ہے:-

"بمرور ایام طبقه نوکھنڈا از صدمۂ برق ضایع شده سه طبق باقی بود جناب عالی متعالی دو طبقه دیگر که اسلوبے نداشت مسمار نموده بریک طبقه که الحال بجائے تہخانه موجود است طرح عمارتے انداختند به اتمام نرسیده بود که نہضت دار الخلافت دہلی رو نمود و حسین علیخان در بلده رسیده عمارت مذکور را باتمام رسانید بعد جنگ عالم علی خان که بلده فاخره بفر قدوم میمنت لزوم زینتے و آرایشے یافت عمارات ساختۂ حسین علیخان منظور نشده مسمار نموده عمارت کلان دو رویه با دو نعمت خانه ہائے کلان تعمیر فرموده مسمی بخلوت کلان نمودند و محل سرا ہم بعضے عمارت یافت ......"

اس ایک فقرے سے جو در اصل نوکھنڈی کی تعمیر و ترمیم سے متعلق ہے، اس عمارت کی نسبت اور اس کے سوا اور کتنی مفید معلومات حاصل ہوتی ہین، قدیم عمارات اورنگ آباد کے آثار قدیمہ کے محققین کے نزدیک یہ فقرہ جسقدر اہمیت رکھتا ہے، وہ ظاہر ہے،

اصل سودہ جولالہ منسارام کو اس کتاب مآثر نظامی کی تدوین و ترتیب کا محرک ہوا آصفجاہ اول کے سنبھل مراد آباد کی صوبہ داری پر مامور ہونے کے مقام پر ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد کے واقعات انھون نے دوسری تاریخون سے جمع کئے ہین، لالہ صاحب نے اس کا اظہار اس کتاب مین ان الفاظ مین کیا ہے،

"تا این حال تسوید از امیرے کہ این فانی بنیاد خاکی نہاد آن را بہ بیاض آوردہ

و دیگر احوال از جاہا مثل سرو آزاد و خزانۂ عامرہ وغیرہ اخذ کردہ بہ تکمیل آن می پردازم"

اصل کتاب وفات آصفجاہ پر ختم ہوتی ہے آخر مین ان کے بعض اشعار نقل کئے ہین غفران مکان (اعلیٰ حضرت میر محبوب علیخان) کے عہد مین آقا میرزا نصر اللہ فدائی کے اہتمام سے انکا وہ دیوان شائع ہوا ہے، جسمین انھون نے شاکر تخلص کیا ہے، اسی دیوان کے دیباچہ مین آقا صاحب نے آصفجاہ کا مختصر سا تذکرہ لکھا ہے، اس مین یہ بتایا ہے کہ انکا ایک اور دیوان[1] بھی ہے، جس مین انھون نے آصف تخلص استعمال کیا ہے، اس کتاب مین لالہ صاحب نے ان کے اسی دیوان کے منتخب اشعار لکھے ہین، کہ ان مین جتنے مقطعے ہین سب مین تخلص آصف ہی ہے،

انتخاب دیوان کے ختم ہو جانے کے بعد کتاب کی تعلیقات شروع ہوتی ہین، جو بلا شرکت غیرے لالہ صاحب کی ذاتی تحریرات ہین ان مین سب سے پہلے آصفجاہ اول کے وصایا ہین، اور یہ وہی ہین جنکو انھون نے رسالہ دربار آصفی مین لکھا ہے، ان وصایا کا ذکر ان کے ہمعصر کسی اور مورخ نے نہین کیا ہے، لالہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ضیاء الدین حسین خان صدر الصدور نے قلمبند کیا، اور علم عوام تک لالہ صاحب نے پہونچایا، ان کے متعلق وہ اپنے رسالہ دربار آصفی مین لکھتے ہین کہ آصف جاہ[2] اپنے احتضار کے وقت اپنے فرزند ناصر جنگ کو وصیت کر رہے تھے، اس وقت

[1] تذکرہ حالات مغفرت مآب صفحہ ۳۳، [2] رسالہ دربار آصفی صفحہ ۵۷،

صدر الصدور مذکور نے پاس کی قنات کی آڑ مین ٹھہر کر پنسل کے قلم سے (جس کو مورخ موصوف قلم فرنگی کہ از سرب سازند کہتا ہے) ان وصایا کو لکھ لیا، اس وقت لالہ صاحب بھی ان کے پیشکار کی حیثیت سے حاضر تھے، انھون نے بھی ان کو نقل کر لیا ہم ان وصایا کو آصفجاہ کی زبان نہین سمجھتے، بلکہ صدر الصدور صاحب موصوف کی عبارت خیال کرتے ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین زبان اردو کا رواج ہو چکا تھا، آپس کی بول چال اسی زبان مین ہوتی تھی، کچہری دربار مین یہی زبان تقریری زبان تھی البتہ ابھی اس کا رواج تحریر مین عام نہین ہوا تھا، اس لئے قیاس یہ ہوتا ہے کہ صدر الصدور صاحب نے اس کو سنا تو روزمرہ اردو مین اور نقل کیا فارسی مین،

وصایا کے بعد لالہ صاحب نے مناقب آصفجاہ جمع کئے ہین، جو تعداد مین چورانوے (۹۴) ہین، ہر ایک منقبت مین ایک واقعہ بیان کیا ہے، جس سے یا تو کوئی تاریخی بات معلوم ہوتی ہے، یا خود آصفجاہ کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے، ان مناقب کی نسبت ان کا ادعا ہے کہ یہ وہی ہین جنکو یا تو بر سر موقع خود انھون نے اپنے کانون سنا ہے یا ان معتبر اصحاب سے سنا ہے، جو حضور مین حاضر باش رہا کرتے تھے، چنانچہ ان کے تمہیدی الفاظ یہ ہین:-

"مناقب والا مرتبت سراسر ہدایت جناب مستطاب حضرت آصف جاہ علیہ الرحمۃ والرضوان انچہ این فانی بلا واسطۂ غیر بگوش ارادت نیوش سماعت نمودہ و بعض از معتبران حضور پر نور حاضر باش یافتہ . . . ."

یہ حصہ اس کتاب کی جان ہے، اور جو کچھ اہمیت اس مین ہے، وہ اصل کتاب سے بہت زیادہ ہے، اس سے اکثر ایسی معلومات حاصل ہوتی ہین، جو اور کتابون یا تاریخون مین موجود نہین ہین،

ان مناقب مین لالہ صاحب نے ان واقعات کو بھی داخل کر دیا ہے، جو اپنے رسالہ دربار آصفی[1] مین ایک بار وہ لکھ چکے تھے، مثلاً ابو الخیر خان کے رسالے کے ان سوارون کا واقعہ جو مغفرت مآب

[1] رسالہ دربار آصفی ص ۵۹،

کی سواری مین حاضر ہوکر اپنے بخشی کے توسل کو ترک کرکے خود ان سے اپنی دو ماہہ سہ ماہہ تنخواہ کے طالب ہوئے اور جب اعلیحضرت نے فرمایا کہ اپنے بخشی سے طلب کرو تو ان سوارون نے جوابدیا کہ ہم نے نوکری آپ کی کی ہے بخشی کی نہین کی، رسالہ دربار آصفی مین یہ امر البتہ اضافہ ہے کہ یہ سوار اپنی لڑکیون کی شادی کے لئے اپنے وطن جانا چاہتے تھے، اور یہی ظاہر کرکے انھون نے مغفرت مآب سے اپنی اپنی تنخواہ طلب کی تھی،

خجستہ بنیاد اورنگ آباد مین رابعہ دورانی کا ایک مقبرہ ہے، جسکو تاریخون مین باغ بیگم کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، قیاس یہ ہوتا تھا کہ ان بیگم کی تدفین سے پہلے یہ مقام ان کا باغ ہوگا، انکے دفن کے بعد بھی وہ اسی نام سے موسوم رہا، لیکن لالہ صاحب کے اس باب کی ایک منقبت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام بیگم کا مقبرہ پڑگیا تھا، مگر اس کے بعد پھر موقوف ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ مغفرت مآب نے بیگم کے باغ کو سیر کی غرض سے جانے کا ارادہ فرمایا، اور حکم دیا کہ وہان حسب منشا تیاری ہو، تکمیل انتظام کے بعد داروغہ دیوان خانہ نے معروضہ کیا کہ حسب الحکم بیگم کے مقبرہ مین تیاری ہو چکی ہے، اس پر مغفرت مآب کو کچھ اور خیال آگیا، اور انھون نے معًا فرمایا کہ "مقبرہ تمھین کو مبارک تم ہی وہان جاؤ" اور اس کے بعد سواری موقوف رہی، اور فرش فروش واپس طلب کیا گیا، پھر جب کبھی حضور مین اس مقام کا ذکر آتا تو باغ بیگم ہی کا نام لیا جاتا، اس کے بعد ہی ایک فقرہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آصفجاہ کے حضور مین کسی کے مرنے کی اطلاع عام طریقہ سے نہین دیجاتی تھی، بلکہ موت واقع ہونے کے تین دن بعد عرض کیا جاتا کہ فلان شخص یا امیر نے صحت کلی پائی، اس کی وجہ لالہ صاحب ہی نے ایک اور منقبت مابعد مین اس طرح بیان کی ہے کہ "ایک روز حکم ہوا کہ کسی کے مرنے کی اطلاع سیوم ہونے کے بعد صحت کلی پانے کے کنایہ مین ہوا کرے اور جو شخص کہ نماز جنازہ مین شریک ہو حضور مین تین روز تک نہ آئے،" یہ مغلیہ دربار

کی تقلید معلوم ہوتی ہے، جہان کسی امیر کے مرنے کی اطلاع بادشاہ وقت پرست تصدق ہوجانے کے کنایہ سے کیجاتی تھی، اور دربار اور محل مین مرنے کا منحوس لفظ استعمال نہین ہوتا تھا،

مناقب کے بعد سب سے آخر مین انشار منشی رام سنگھ سے آصفجاہ کے چند عنایت نامے، مراسلات اور عرضداشتین منتخب کرکے جمع کئے ہین، ان مین کوئی خط یا کوئی مراسلت قابل ذکر نہین ہے، لالہ صاحب نے اس حصہ کو اپنے نام کے اُن خطوط پر ختم کیا ہے، جو ناصر جنگ شہید نے اپنے عہد ریاست مین ان کے نام لکھے ہین، اور یہ صرف دو ہین، ان دونون خطوط کا تعلق آصف جاہ سے نہین ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ لالہ صاحب نے اس خیال سے ان کو یہان داخل کیا ہے، کہ نظام علی خان جن کے ملاحظہ مین یہ کتاب انھون نے پیش کی ہے، ان خطوط کے مطالعہ کے بعد لالہ صاحب کے تعلقات اور اثرات سے متاثر ہوکر ان سے اپنی کدورت کو رفع کرین،

القصہ اس کتاب کی تالیف کا منشا یہ ہے کہ آصف جاہ کے متعلقہ جملہ حالات کو ایک جگہ جمع کردیا جائے اس ایک کتاب سے ان کے متعلق جتنے معلومات فراہم ہوسکتے ہین، کسی اور تاریخ سے نہین ہوسکتے، اس اعتبار سے اگر اسکو سوانح حیات آصفجاہ کہا جائے، تو بیجا نہین ہے،

شہر طوس

ماضی و حال کے آئینہ مین

از

جناب شمس الہدی صاحب پٹنہ،

طوس کی ابتدائی تاریخ پردۂ خفا مین ہے، کیونکہ معلومات کی حد جہان تک پہونچتی ہے اس سے صرف اس قدر واضح ہوتا ہے کہ یہ شہر ازمنۂ سابقہ مین آباد ہو چکا تھا، اوستا زردشتون کا صحیفہ ہماری ہندؤن کی دیوبانی پشتک کی طرح متفرق دفاتر مین منقسم ہے، اس کا ایک دفتر جو ونی داد (Vendidad) کے نام سے موسوم ہے، اور بائیس (۲۲) فرجاد پر مشتمل ہے، اس مین یزدان، یا ایزد اور اہرمینوس یعنی اہرمن کی تخلیق کا تذکرہ ہے، اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایران کے اندر سولہ (۱۶) شہر آباد کئے گئے، جنمین سے ایک طوس بھی تھا، ڈارمسٹیٹر (Darmesteter) مترجم ونی داد نے ان مین سے چند نامون کی توضیح کی ہے، لیکن پروفیسر براؤن (Brown) نے نہایت تشریح سے ان شہرون کے قدیم مذہبی اور موجودہ نام بیان کئے ہین، روایات اور مقامی تحقیقات سے ان مقامات کی قدامت کا پتہ ملتا ہے، گو فروعات مین تضاد پایا جاتا ہے، صاحب نزہتہ القلوب تحریر فرماتے ہین :-

" جمشید پیشدادی ساخت از خرابیں طوس نو در تجدید عمارت آن کرد و بنام خوب منسوب گردانید "

برعکس اس کے ہفت اقالیم مین مرقوم ہے :-

" این ولایت (مشہد مقدس) در ازمنۂ سابقہ بطوس شہرت داشت و باعث آبادانی ولی طوس بن نوذر بود چنانچہ در شاہنامہ منظوم است . . . ."

حکیم الہند ہر دو بیانات کے برخلاف تحریر فرماتے ہین :-

" اصفہان در قدیم الایام "دار الیہود" نام داشت از جہت کہ چون بنی اسرائیل از بخت نصر گریختند پارۂ از خاکِ بیت المقدس گرفتہ گرد عالم می گشتند و خاکِ اصفہان را برابر خاک بیت المقدس یافتہ آنجا شہرے بنا کردند موسوم بدار الیہود . . . ."

اسکندر اعظم کے مشہور سفر سے اس شہر کی تاریخی حیثیت قابلِ وثوق ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ ثابت ہو کہ وہ دورانِ سیاحت مین کوہستان (Parthia) گیا تھا اور وہان سے (Areia) اور صوبہ کے پایۂ گاہ شہر سوسیا مین داخل ہوا تھا، اور سائکس (Sykes) نے شہر سوسیا کی طوس کے ساتھ عینیت قائم کی ہے، ابتک طوس کے روایتی پہلو سے بحث کی گئی لیکن روایت کو بدون تفحص اور تحقیق کے یقین کر لینا اصولِ درایت کے خلاف ہے، اس کے جائے وقوع سے ہم بآسانی اس کے تحقیقی پہلو کو روشن کر سکتے ہین چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ کشف رود کی وادی مین آبیاری کا سامان موجود ہے، جس کے باعث وہ خراسان مین سب سے زیادہ زرخیز زمین ہے، لہذا یہ یقینی ہے کہ وہ ابتدائی زمانے سے اہمیت کا مرکز رہا ہے، یہان کی زمین زرخیز ہونے کے علاوہ ہموار و نرم بھی ہے،

لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ طوس، جو کھنڈرون پر مشتمل ہے، آیا وہی قدیم طوس ہے؟ اس سوال کا جواب اثبات مین دینا کسی قدر مشکل ہے، دوسرا سوال یہ بھی ہے کہ کیا طوس کسی شہر کا نام تھا، یا اسی نام کا کوئی ضلع تھا، جہان تک تاریخی شہادتین ہم پہونچتی ہین، ان سے واضح ہوتا ہے کہ تاریخ کے متفرق دور مین یہ نام شہر اور ضلع دونون کے لئے استعمال کیا گیا ہے، سائکس ایران کے مشہور سیاح

نے قدیم مقامات کے متعلق خراسان کے متعدد باشندون سے تحقیقات کی اور اوس نے یہ نتیجہ اخذ کیا، کہ اس وادی کا سب سے قدیم شہر وہ ویران جگہ ہے، جو اب شہر بند (CITY OF THE DAM) کے نام سے مشہور ہے، لیکن اوائل زمانہ مین قہقہہ (KAH KHA) کے نام سے موسوم تھا، یہ مقام مشہد سے دس میل شمال و مغرب اور طوس سے ۴ میل جنوب و مشرق مین واقع ہے، اس سے قریب ایک میل کی فصیل پر بائین جانب کشف رود ہے، اور اس دریا مین طوس سے قریب دو میل بالا ایک قدیم بند کے آثار پائے جاتے ہین، لہذا یہ خیال کرنا درست ہوگا کہ زمانۂ تاریخ سے قبل شہر طوس کی آبپاشی کیلئے پانی اسی کے توسط سے حاصل کیا جاتا تھا، اس وقت شہر بند کی فصیل پانی مین گر کر مدتون زیر آب رہنے کی وجہ سے کیچ کا ڈھیر بن کر رہگئی ہے، اور اس کے قریب کسی گھاٹ کا بھی کوئی نشان نہین ملتا ہے، یہ فصیل ایک وسیع رقبہ کو احاطہ کئے ہوئے تھی، اور اس امر مین شک کی گنجائش نہین کہ اس کے اندر ایک زبردست شہر آباد ہوگا جس کی فصیل طوس کی فصیلون سے قبل تعمیر ہوئی ہوگی، شہر سے متصل ایک دلدل ہے، جسے "علاقہ قہقہہ" کہتے تھے، اور رود اسی نام کے ایک گاؤن کے سامنے سے گذرا ہے، اسی وجہ سے یہ قدیم نام ابھی تک باقی ہے،

طوس کی ابتدائی تاریخ کا جہان تک تعلق ہے، ہمین مذکورۂ بالا روایات سے زیادہ کوئی اور بات نہین ملتی، زمانۂ وسطیٰ کی تاریخون مین سب سے پہلی روایت یعقوبی کی ملتی ہے، وہ لکھتا ہو کہ "طوس کا نصف اکبر نوقان کے نام سے مشہور تھا،" اور نوقان جیسا کہ معلوم ہے، بلاد خراسان کا مشہور شہر تھا، صاحب معجم البلدان بطلیموس کے حوالے سے تحریر کرتے ہین:-

الطوس وهی مدینة بخراسان بینها وبین نیسابور نحو عشرة فراسخ تشتمل علی بلدتین یقال لاحدهما الطابران و لاخری نوقان ولهما اکثر من الف قریة

طوس خراسان کا ایک شہر ہے، نیشاپور اور اس کے درمیان دس فرسخ کا فاصلہ ہے، یہ دو شہرون پر مشتمل ہے، یعنی طابران اور نوقان، ان دونون کے اندر ہزارون گاؤن آباد ہین،

یہی مصنف آگے چل کر سعد بن المہلبی کے حوالے سے بیان کرتا ہو، کہ طوس، چار شہرون پر مشتمل تھا، جنین دو بڑے اور دو چھوٹے تھے، (Le Strange) مترجم معجم البلدان نے طوس پر جو بحث کی ہے اس سے محولۂ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہو،

سب سے اہم سوال نوقان اور طبران کے جائے وقوع کی تعیین کا ہے، سائکس کا یہ خیال ہے، کہ موجودہ طوس کا قدیم نام طبران تھا، اور یہی خیال قرین صحت بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ چہار مقالہ (پروفیسر براؤن نے اس کا ترجمہ انگریزی مین کیا ہے، اور اس کے متعلق رائے ظاہر کی ہے کہ وہ "خارجی معلومات کی سب سے زیادہ قدیم اور اہم کتاب ہے") مین مذکور ہے کہ محمود غزنوی نے فردوسی کو جس کی زندگی کے مختصر حالات بعد کی سطور مین ملین گے، معاوضہ بالجنس طبران ارسال کیا، لیکن اس کے پہونچنے سے قبل وہ فوت ہو چکا تھا، اس امر کے متعلق کبھی کوئی شک نہین کیا گیا، کہ جس مقام کو اب طوس کہتے ہین وہی اس کا مدفن ہے، اس لئے موجودہ طوس قدیم طبران ہی،

نوقان فی زماننا بالعموم نوغان کہلاتا ہی، شرق مشہد مین ایک وسیع رقبہ کو احاطہ کئے ہے، طوس کی فصیل کے پاس سے شہر کا آغاز ہوتا ہے، اور حسین آباد اور رہر آباد تک پھیلتا چلا گیا ہے، وہان کے قبرستان کا بعین خود سائکس نے معائنہ کیا، اور وہ اس کے متعلق لکھتا ہی:-

"گورستان بہت بڑا ہے، اور پتھر کے تابوتون کی کثرت ہے، اور ان مین سے بعض پر کوفی اور SULS خطوط مین عبارات کندہ ہین، بعض کتبات پڑھے گئے جس سے یہ معلوم ہوا، کہ ٧٦٠ھ (١٣٥٩ء) تا ١٠٩٩ھ (١٦٨٨ء) تدفین ہوتی رہی ہے"

ایران مین قبرستانون کے ساتھ جیسی تغافل شعاری روا رکھی جاتی ہے، اس سے یہ توقع نہین کہ اس سے پہلے کے الواح موجود ہون اور جو کچھ موجود ہین، ان کا کتبہ صاف نہین پڑھا جا سکتا ہے

دس برس کا عرصہ ہوا کہ دو پتھر کے خوبصورت حمام زمین سے کھود کر نکالے گئے، اور مشہد کو منتقل کر دیئے گئے، فی الجملہ کھنڈرون سے یہ پتہ ملتا ہے کہ نوقان اپنے عروج کے زمانہ مین کوئی معمولی شہر نہ تھا، اس کے قریب ایک دروازہ ہے، اور اس سے محق مشہد کا ایک حصہ اور ان دونون پر نوغان کا اطلاق ہوتا ہے، اور یہ اس امر پر دال ہے کہ موجودہ طوس قدیم طران ہے، اس بحث کو مین نے اس لئے طول دیا ہے کہ مستشرقین نے اس مسئلہ پر بہت کم روشنی ڈالی ہے، اور بعض نے تو نہایت غلطی کی ہے، کیونکہ وہ لکھتے ہین کہ توام شہر (Twin cities) باہم بغلگیر تھے، حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان دونون کے مابین سولہ[16] میل کا فصل ہے، اور دونون دریا کے دو مختلف سواحل پر واقع تھے

طوس کی شہرت کا خاص سبب یہ ہے کہ وہ فردوسی کا مولد و مدفن ہے، چہار مقالہ کے بیان کے مطابق ایران کا رزمیہ شاعر طوس کے ایک گاؤن باز جو طبرستان کی ناحیت مین ہے، ایک بازر دہقان تھا، لیکن اب اس علاقہ مین کوئی گاؤن اس نام کا نہین ہے، لیکن مشہد کے جانب شمال تقریباً پندرہ[5] میل پر ایک گاؤن ہے، جس کا نام پاژ ہے، قدیم دساتیر مین وہ پاژ لکھا جاتا تھا، اور عربون کے عہد مین باز کہلاتا تھا، اب پھر وہ پاژ کہلانے لگا ہے، اور یہ تصور کرنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم گاؤن جو قلات نادری کی گھاٹی کے پاس ہے فارس کے شاعر اکبر کا وطن مالوف تھا،

خلاصہ یہ ہے جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے فردوسی نے ربع صدی کی محنت کے بعد ۴۰۰ھ مین شاہنامہ کو پایہ تکمیل کو پہونچایا، اور اس کتاب کے ساتھ دربار غزنین مین حاضر ہوا، فاتح اعظم اس کی رزمیہ نظم سنکر بہت محظوظ ہوا، اور معقول صلہ دینے کا اس نے ارادہ کیا، لیکن چند متعصب درباریون کی سازش کے نتیجہ سے ایک بہت ہی حقیر رقم اسے پیش کی گئی، اور وہ رقم خشمگین شاعر نے ایک حمالی اور فقاعی کے درمیان تقسیم کر دیا، لیکن چونکہ وہ محمود کی سیاست سے بخوبی واقف تھا، اس لئے وہ مفرور ہو کر ہرات پہونچا، اور ایک عرصہ تک وہان روپوش رہا، یہان تک کہ جب یہ فساد رفع ہوا تو اس نے طوس

کے سمت مراجعت کی، اس وقت تک محمود کے خوف سے امان نہین ملی تھی اس لئے وہ طبرستان چلا گیا جو خاندان ساسانیہ کے سلسلہ کے ایک فرمان روا کے زیر نگین تھا جہان اس کی بہت عزت و توقیر کی گئی، اور بظاہر وہ وہان چند سال تک مقیم رہا، بالآخر وطن پہونچا، اور کبر سنی مین انتقال کیا، اس درمیان مین فردوسی کا حامی محمود کا وزیر اس کی دلجوئی کی کوشش کرتا رہا، اور سلطان اپنی غیر دانشمندانہ حرکت پر نادم ہوا، اور چھ ہزار[26] دینار کی قیمت کا نیل شاہی اونٹون پر بار کر کے معذرت کے ساتھ فردوسی کے پاس روانہ کیا، "از دروازہ رود بار اشتر در می شد جہار مقالہ سے منقول ہے" وجنازہ فردوسی بدروازہ[5] رزان بیرون ہمی بردند" مقبول عام روایت تو یہ ہے کہ اونٹون کی قطار اور ماتمی جلوس شہر مین داخل ہوتے ہوئے، اور باہر نکلتے ہوئے دوچار ہوئے تھے،

مین نے فردوسی کے مقبرہ کے سوال کو سب سے اخیر کے لئے رکھ چھوڑا ہے، اس مسئلہ پر اس سے قبل کہ کوئی حتمی رائے ظاہر کیجائے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے اسناد کی طرف توجہ کی جائے، جب چہار مقالہ کا بیان ہے کہ فردوسی کے انتقال کے وقت طران کے اندر ایک متعصب ملا رہتا تھا، جس نے اسے قبرستان مین دفن ہونے نہین دیا، کیونکہ وہ رافضی تھا، اس لئے وہ بیرون دروازہ رزان جو فردوسی کا مملوکہ باغ تھا، اسی کے اندر دفن کیا گیا، حامد اللہ مصطفوی اور دوسرے متوسطین کی تحریرون سے اس بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے، اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ فردوسی طابران کی فصیل کے باہر مدفون ہوا، لیکن اس کا مقبرہ فصیل کے اندر بتایا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک لایق عامل نے فردوسی کی قبر کے اوپر ایک قبہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، اور اس نیت سے اس نے اس کے مدفن کی جگہ کی تلاش شروع کی، اس کے متعلق کسی کو کوئی واقفیت نہ تھی، اس کے واداکی ایک نرالی صورت ایک سید نے نکالی اس نے مشتہر کیا کہ خواب کے اندر اس نے فردوسی کے مدفن کو دیکھ لیا ہے، اور عامل نے اسی ناقابل وثوق سند پر قبہ تعمیر کرا دیا، لیکن اتفاق سے قبہ کی تعمیر کے اختتام کے قبل

عامل معزول کردیا گیا، اور وہ پایۂ تکمیل تک نہین پہونچ سکا، رزان دروازہ کے باہر مقبرہ کا کوئی نشان نہین ملتا ہے، ممکن ہے اثریاتی تحقیقات کیجائے تو شاعر اکبر کے ابدی آرام کی جگہ کا پتہ مل سکے،

اب باقی صرف یہ رہگیا ہے کہ رودبار اور رزان (بالفتحہ یا کسرہ) کے جاہاے وقوع کی تعین کیجائے، اول اول یہ کام مشکل نظر آیا، کیونکہ اول الذکر یقینی ایک ایسا دروازہ ہوگا جس سے غزنین سے آنیوالے مسافر شہر کے اندر داخل ہوسکتے ہین، لیکن اس سمت مین اب کوئی "رودبار" بلمند کے ساحل کے قریب نہین ہے، اور یہ علاقہ دریاے بالکل علحدہ ہے، مسلسل تحقیقات کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ پہاڑی علاقہ کا شمالی حصہ جو طوس اور نیشاپور کے درمیان ہے اور جسے اب (KUPAYAH) کہتے ہین، فردوسی کے عہد مین وہ رودبار کہلاتا تھا، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ایک بہت اہم قصبہ بار کے پاس تھا جو جاے غرق سے ۴ میل شرق مین واقع ہے، رزان دروازہ کے شناخت کرنے مین دقت پیش نہ آئی کیونکہ اب تک اس نام کا ایک گاؤن موجود ہے، جو قصبہ باژ سے ۹ میل شمال و مشرق اور ۴ میل شمال و غرب مین واقع ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فردوسی کی بیٹی نے سلطانی عطیہ کے لینے سے انکار کردیا، اور وہ شرما عام روایت کے مطابق کاروان سرائے، بند، اور پل بنانے مین صرف کردیا گیا،

طوس کی زمین بہت مردم خیز ثابت ہوئی، اور وہان بڑے بڑے عالم فاضل اور مہندس پیدا ہوئے، وہ (NESTORIAN) اسقف کا صدر مقام بھی تھا، لیکن ہیرات اور نیشاپور کی طرح وہ بھی مغلیہ سیلاب یورش کے ورطہ مین گرفتار ہوا، اور اس پر ۶۱۶ھ / ۱۲۱۹ء مین چنگیزی حملہ ہوا، اور اس کے بعد قریب ڈیڑھ سو سال تک غارت و بربادی کا شکار ہوتا رہا، آخری حملہ کی وہ تاب نہ لاسکا جبکہ تیمور کے فرزند میران شاہ نے [illegible] مین طوس پر حملہ آور ہوکر شہر کو تباہ و برباد کرکے ویران کردیا، بعد والے چند باشندے جو قتل عام سے بچ رہے تھے، وہ روضہ کے گرد آباد ہوگئے، اور طوس کی اسی تباہی کے بعد مشہد خراسان کا مرکزی شہر بن گیا،

طوس کی موجودہ حالت بیان کرنا ازبس ضروری ہے، مشہد سے آتے ہوئے نصف راہ پر خوش متی (Khoosh Motti) ملتا ہے، اس وسیع قصبہ کی بنا خلیفہ مہدی نے ڈالی تھی، اور فریزر اس کا تذکرہ سفرنامہ کے اندر کرتا ہے، اس کے بعد "قہقہہ" ملتا ہے، جس کا تذکرہ آچکا ہے، او اس کے بعد کشف رود کے اینٹ کا پل ملتا ہے، جسے فردوسی کے نسبت سے "فردوسی" کہتے ہین، پل عبور کرنے کے بعد فصیل تقریبًا ۱۰۰ فٹ کے فاصلہ پر رہجاتا ہے، وہ تمازتِ آفتاب سے خشک کی ہوئی اینٹون سے تعمیر ہوا ہے، اور ۳۰ فٹ تک بلند ہے، بے شمار شہر پناہین بنی ہوئی ہین، لیکن شہر مستحکم نہ تھا، اور نقشہ (PLAN) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴ ½ مربع میل اس کا رقبہ تھا، شہر کے اندر ایک پرانے پھاٹک سے داخل ہوتے ہین، جس کے متعلق خیال یہ ہے کہ وہ زمانہ قدیم مین رودبار دروازہ کہلاتا ہوگا، شہر مین داخل ہونے کے بعد سب سے پہلی چیز جو نظر آتی ہے، وہ ایک شکستہ حال مزار ہے، جسے متفرق نامون مثلاً "گنبد" "مزار" یا "قصر" وغیرہ سے یاد کرتے ہین، اس کی اندرونی عمارت منہدم ہوچکی ہے، اور بظاہر کوئی ایسی چیز موجود نہین ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ کس کے جسد خاکی کے اوپر یہ مزار تعمیر ہوا ہے، مشرقی رخ پر (Plaster) کے اندر جا بجا "زندگی چند روزہ ہے" (The world is but an hour) کی عبارت کندہ ہے، اور دو خراب حال الواح بھی اس کے اندر موجود ہین، لیکن وہ بظاہر کسی دوسری جگہ سے لاکر یہان رکھدیئے گئے ہین، جن کے کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہوش خانم اور سید کے مزار کے تعویذ ہین، فریزر ایک منہدم مینار کا بھی تذکرہ کرتا ہے، جو اس کے قریب ہی تھا، اس مینار کا پتہ نہ مل سکا، جانب شمال ایک پگڈنڈی ہے جو قدیم "ارک" یا قلعہ کے اندر تک چلی گئی ہے، اور ایک مصنوعی حدب پر قایم ہے، یا یہ کہ زمین کے بلنتھ (Plinth) کو اونچا کردیا گیا ہے، وہ بیرونی اور اندرونی دو حصص پر منقسم ہے، اندرونی حصہ کی شکل مستطیل ہے، اور ۶۵ گز دراز اور ۴۰ گز وسیع ہے، قلعہ کے جنوب و مشرق مین

دو منہدم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہین جو "فیل خانہ" کہلاتے ہین، اگرچہ اس کے اس نام کی کوئی خاص وجہ معلوم نہین ہوتی،

خواجہ ربیع کا مقبرہ

اس کے بعد طوس کے ایک اہم مقبرہ کا ذکر کرنا ہے، جو "مقبرۂ خواجہ ربیع" کہلاتا ہے، خواجہ ربیع کا یہ مقبرہ کشف رود کی وادی کے جنوبی حدود مین جہان سے گدلا پانی بہنا شروع ہوتا ہے، ایک خوشنما مقام پر مشہد سے دو میل اتر واقع ہے، مدینہ مقدسہ سے آتے ہوئے سب سے پہلے ایک تالاب ملتا ہے، جس پر یہ روضہ تعمیر کیا گیا ہے، تالاب کے اوپر ایک خوبصورت جنگلی درخت سایہ کئے ہوئے ہے، ام کلثوم خانم عالم وقت کی بہن نے اسے سنہ ۱۰۸۳ھ مطابق ۱۶۷۲ء میں تعمیر کرایا تھا، جیسا کہ حسب ذیل کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے:-

در عہد سلیمان شاہ عالی مقدار — خورشید سریر شرف و عز و جلال

ہمشیرۂ میرزا محمد طالب — ام کلثوم خانم از مال حلال

در خواجہ ربیع بن خثیم از سر صدق — در مبشر ثواب یوم لا ینفع مال

بنیاد نمود بر گہ ہمچو بہشت، — حوضی از آب زندگی مالامال

گردید مبنی میرزا صدر الدین — این طرفہ بنا تمام بے نقص و زوال

تاریخ بنائے این مقام دلکش — رو صریح چون از پیر عقل کرد سوال

ناگہ از غیب ہاتفے گفت جواب — لعنت بر یزید کن بنوش آب حلال

۱۰۸۳ھ

آقا محمد صادق مجور روضہ سے متعلق اراضی کا ناظم تھا، سنہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۷ء میں تالاب کلان کی مرمت کی، اصلی کتبہ کے نیچے قطعۂ تاریخ منقوش ہے،

تالاب سے دروازہ تک درختون کے دو رویہ قطار لگائے گئے تھے، لیکن اس قطار سے علٰحدہ ایک پگڈنڈی دو منزلہ دروازہ تک گئی ہے، جو خستہ ہے، البتہ رنگین اینٹون کے آثار پائے

جاتے ہین، دروازہ کے اوپر کے سنگی چوکھٹ پر دو کتبات کندہ ہین، بڑے کتبہ مین پرشوکت الفاظ مین بیان کیا گیا ہے کہ شاہ عباس صفوی نے روضہ سنہ ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۱ء میں تکمیل کو پہونچایا،

"بانی این عمارت رفیع الشان فلک اساس و این بنائے منیع البنیان عرش سماس اعلیحضرت سلطان سلاطین عالم فرمان فرمائے سلسلہ بنی آدم حافظ بلاد اللہ و ناصر عباد اللہ ظل اللہ تراب عتبۂ سید المرسلین و کلب آستان امیر المؤمنین مروج مذہب حق ائمہ المعصومین السلطان بن السلطان بن السلطان والخاقان بن الخاقان شاہ عباس الحسینی الموسوی الصفوی بتاریخ ہزار و سی و یک ہجری ۱۰۳۱ بسعی کمترین غلامان دعاگوی الغ الرضوی الخادم اتمام یافت"

چھوٹا کتبہ جو کہ قریبی زمانہ سنہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء کا ہے، اس مین تہدید کی گئی ہے، کہ کوئی شخص روضہ یا اس کے درخت کو نقصان پہونچانے کا قصد نہ کرے ورنہ اس پر اللہ کی پھٹکار ہوگی، سواد روضہ مین داخل ہوتے ہی مقبرہ کی برجیان سپیدار اور نارون کے درختون کی قطار کے درمیان نظر آتی ہین اور بہار کے موسم مین یہ دلفریب منظر بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے، خوبصورت قبہ جو اٹھ گوشیہ عمارت کے اوپر خستہ حالی کے سبب گرنے کے قریب ہے، لیکن خوش قسمتی سے خزف کے اوپر نیگلی زمین پر سنہری حروف مین جو عبارتین کندہ ہین وہ جستہ جستہ پڑھی جا سکتی ہین،

قال اللہ تعالٰی اَلَاۤ اِنَّ اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون . . . . . .

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ . . . . (خزف کے ٹوٹ کر گر جانے کی وجہ سے عبارت یہان بے ربط ہو جاتی ہے) (سنہرے حروف مین) قد امر لعمارۃ ھٰذا شاہ عباس الحسینی الموسوی الصفوی . . . . کتبہا علی الرضا العباسی

بیرونی عمارت غفلت کے سبب شکستہ ہو گئی ہے، تاہم وہ اب تک قابل دید ہے، ہر طرف

محراب ہے، جس کی تزئین کاشیکاری (Tile work) اور پچی کاری (Mosaic) کے باریک کام سے کی گئی ہے، مغربی سمت زرد اور بیگنی رنگ کے اینٹون پر دو عجیب بدہیئت جانورون کے سر نمایان کئے گئے ہین، جو نیم ریچھ اور نیم بارہ سنگھا سے مماثل معلوم ہوتے ہین، ممکن ہے یہ ایرانیون کے خیال کے مطابق اژدہے کی شکل ہو، کیونکہ یہ ان کے لئے ناممکن تھا کہ وہ اس کو اونٹ کے ہم شکل تصور کرتے، جیسا کہ قرون وسطیٰ کے یورپ مین رواج تھا، کیونکہ اونٹ اور اس کے مابین کوئی شباہت نہین پائی جاتی، پھر اس سے مماثل ہے جو تربت شیخ جام اور "قدم گاہ" نیشاپور کی تعمیر مین کام آئے تھے، اور یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ سب ایک خزف ساز کے ہاتھون سے تیار ہوئے تھے، جو بقول محافظ (Cusdodian) کوم (Kum) کے رہنے والے تھے، روضہ کی قدر دور زمین ڈھلوان ہوگئی ہے، اس زرخیز وادی کا منظر اور اس کے پشت پر وہ بھیانک درہ جس سے معروف قلات نادری کو راستہ جاتا ہے، خراسان کے دلچسپ ترین مناظر مین سے ایک ہین،

روضہ کی تفصیلات مین داخل ہونے سے قبل اس ہستی کے حالات جس کا جسد خاکی اس کے نیچے دبا ہوا ہے، بیان کرنا بہتر ہوگا، خواجہ ربیع خثیم ان آٹھ اشخاص کی مشہور صف مین داخل ہین جنھین جماعت زہاد ثمانیہ کہا جاتا ہے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفیق تھے، اور امیر المومنین کے ایما سے ....م سوارون کے ساتھ والی مقرر ہوکر مشہد تشریف لے گئے، بظاہر ان کا دور عمل کامیاب گذرا، کیونکہ اس کے متعلق بہت کم باتین تحریر کی گئین، اور جب انھون نے وفات پائی تو وہ اسی جگہ پر دفن کئے گئے، جہان اب روضہ ہے، سال وفات ۶۳ھ ہے، ایک بہت ہی اہم سوال یہ ہے کہ آیا خواجہ ربیع شیعہ تھے یا سنی المذہب، اور کتبہ کے اندر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ مقبول عام روایت یہ ہے کہ وہ سنی تھے، اور قدامت پرست شیعون کا بھی یہی خیال ہے،

کیونکہ ایک دفعہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حملہ کرنے کا حکم دیا تو اس بہانے سے کہ مجاہدین تھکے ہوئے تھے، انھون نے تعمیل حکم سے اغماض کیا، اور اس لئے وہ شیعون کی نظر سے گر گئے ہین، اور اسی لئے جو سنی مشہد مین انتقال کرتے ہین، وہ اسی روضہ کے گرد دفن کئے جاتے ہین، اور خراسان کے اندر خواجہ ربیع کو وہ اپنا مربی ولی (Padron Saint) تسلیم کرتے ہین،

روضہ مین داخل ہوکر قبر نظر آتی ہے، جو قبہ کے نیچے وسط مقام پر ہے، سرخ رنگ کی لکڑیون سے چارون طرف جنگلہ بنادیا گیا ہے، اندرونی عمارت کی زینت مین بہت نفاست اور نزاکت سے کام لیا گیا ہے، اور ابھی تک وہ بالکل محفوظ ہے، جنگلہ کے ہر چہار جانب ۸ فٹ اونچے بالان (Pannel) ہین جن پر رنگ برنگ کے کاشیکاری کا کام ہے، جسمین گہرا بیگنی، ہلکا بیگنی، سنہرا، سپید اور ممزوج رنگ آمیزی ہے، خزف کے اوپر یا حفیظ (Guardian) کندہ ہے، گوشہ شہد کے سنگ سیاہ سے بنا ہے، اور اس لئے اس کے بالمقابل جو کھلی ہے (Carnila) اس کی خوبی نمایان ہوگئی ہے، خزف کے اوپر ستونون کے کھگل مین صنعت گلکاری ہے، بیگنی رنگ کی زمین پر ایک چمکیلے فیتہ کے مانند خط نسخ مین حسب ذیل کتبہ ہے:-

عن جابر ابن عبد الله الانصاری رضی الله	جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ
عنه قال لما نزل قوله تعالی یا ایها الذین	کا یہ کلام نازل ہوا "اے ایمان والو اللہ اور اس کے
آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول و	رسول کی اطاعت کرو اور جو تم مین سے سردار ہو،
اولی الامر منکم قلت یا رسول الله	اس کا حکم مانو" مین نے کہا اے رسول اللہ ہم نے خدا
قد عرفنا الله ورسوله فمن اولوا الامر	کو پہچان لیا ہے، اور اس کے رسول کو، لیکن وہ
الذین قرن الله طاعتهم بطاعته،	کون سردار ہے، جسے خدا نے فرمان برداری مین
فقال صلی الله علیه وآله "هم خلفای	اپنے برابر درجہ دیا ہے، تب کہا رسول خدا نے

یا جابر و ائمۃ المسلمین بعدی ان لھم
علی بن ابی طالب ثم الحسن ثم الحسین
ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی المعروف
فی التورات بالباقر وستدرکہ یا
جابر فاذا لقیتہ فاقرأہ السلام منی
ثم سمیی وکنیتی حجۃ اللہ فی ارضہ
وبقیتہ فی عبادہ ابن الحسن ......
ذالک الذی یغیب عن شیعتہ واولیائہ
غیبۃ لا یثبت فیھا علی القول بامامتہ الا
من امتحن اللہ قلبہ للایمان قال جابر
فقلنا کذا یا رسول اللہ فھل لشیعتہ
انتفاع فی غیبتہ، بہ، فقال صلی اللہ علیہ
وآلہ والذی بعثنی بالنبوۃ انھم لیستفیدون
بنورہ وینتفعون بولایتہ فی غیبتہ
کانتفاع الناس بالشمس وان تجللھا
السحاب، یا جابر ھذا من مکنون سر اللہ
ومخزون علم اللہ فاکتمہ الا عن اہلہ
وقال العلامۃ فی الخلاصۃ ربیع
ابن خثیم بالخاء المعجمۃ المضمومۃ

"اے جابر وہ میرے خلفا ہین، اور میرے بعد مسلمون
کے امام ہون گے، ان مین اول علی بن ابی طالب
ہین، پھر حسن پھر حسین پھر حسین کے لڑکے علی پھر علی
کے لڑکے محمد ہین، جنکا نام توریت مین باقر بتایا گیا ہے،
اور اے جابر تم اسے بہت جلد پالوگے، پھر جب تم
اسے دیکھ لو تو میرا اسلام پہونچا دینا، مرا ہمنام ہوگا،
وہ دنیا پر خدا کا مظہر ہوگا، اور وہ اللہ کے بندون
کے درمیان اللہ کی شان کا وجود ہوگا، جو حسن کا بیٹا
ہوگا، تب کسی کا عقیدہ بھی اس کے غائب ہوجانے
کے ثبوت مین پختہ نہ رہیگا، اور ان کی امامت پر کوئی
قائم نہ رہیگا، الا وہ لوگ جن کے دلون کو خدا نے
جانچ لیا ہے، جابر نے کہا تو ہم نے کہا اے رسول اللہ
ایسا ہی ہوگا، کیا ان کے پیرون کے لئے ان کا روپوش
ہونا منفعت بخش ثابت ہوگا؟ پھر کہا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مین اس ذات پاک کی قسم کھا کر
کہتا ہون جس نے مجھے اپنا پیامبر مقرر کیا ہے،
کہ وہ پیرو کاران کی غیبت مین ان کی روشنی سے
روشنی پائین گے، اور ان کی دوستی سے منفعت حاصل
کرین گے، ٹھیک جس طرح انسان آفتاب سے

والثاء المثلثۃ فی قبلھا ثلاث نقاط قبل الیاء
المنقطۃ تحتھا نقطتین احد الزھاد الثمانیۃ
کتبھا العبد الراجی علی الرضا العباسی
فی سنۃ ست وعشرین کذا الف من
الھجرۃ،

نفع حاصل کرتا ہے، اگرچہ آفتاب ابر سے چھپا ہوا
ہو، اے جابر یہ بات خدائی اسرار اور مخفی خزینہ
علم الٰہی ہے، اس لئے اسے چھپائے رکھو، الا
یہ کہ اس سے واقف ہونے کے اہل ہون،

علامہ نے خلاصہ مین لکھا ہے کہ ربیع بن خثیم بجائے معجم و ثاء فوقانی منقوط بہ
نقاط ثلاثہ اور اس کے بعد یا پھر میم، آٹھ زہاد مین سے ایک ہین،

اس کو بندہ امیدوار رحمت علی رضا عباسی نے ۱۰۲۶ھ مین تحریر کیا ہے،

تینون اعجوبہ کتبات کے اوپر قبہ اور اندرونی عمارت کے کھگل مین پر نفاست اور خوشنمائی کا
کام رسمی وضع مین ہے، عمومی اثر اس کا ایک خاص فراوانی کا ہوتا ہے، انگریز سیاح فریزر
(FRASER) جس نے اس روضہ کی قریب ایک صدی قبل زیارت کی تھی لکھتا ہے "خوش مذاقی
کے ساتھ قبہ کے اوپر شاندار لاجوردی رنگ کی زمین پر سنہری پھول پتی اور متنوع اقسام کے خیالی
تصاویر جڑے ہوئے ہین،

مین اس مسئلہ کے متعلق لکھ چکا ہون کہ آیا خواجہ ربیع سنی یا شیعہ تھے؟ روضہ کے اتر طرف ایک
کتبہ ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام رضا خواجہ ربیع کی توقیر فرماتے تھے، کتبہ خط
(شکستہ) مین ہے،

منقول عن الرضا علیہ السلام
ما حصل من المرو الا زیارۃ ربیع
بن خثیم،

رضا سے منقول ہے کہ ربیع ابن خثیم کی زیارت
کے سوا مرو کے سفر سے کوئی فائدہ نہ
ہوا،

خواجہ ربیع کا مقبرہ اگرچہ عربی فن صنعت جسکی مثالین بکثرت ماحون (MAHUN)
مین پائی جاتی ہین، اس کے بالمقابل کم پایہ ہے، تاہم بجائے خود اپنے ماحول کے لحاظ سے اور تاریخی کتبات
کی بناپر نہ صرف اس قابل ہے کہ بار بار اس کی زیارت کیجائے، بلکہ وہ خراسان کے دلچسپ روضات
کی صف اول مین جگہ پا سکتا ہے،

سب سے اخیر مین اس قبر کا تذکرہ کرنا ہے، جو اس روضہ کے اندر ہے، یہ فتح علی خان قاچار، ایران
کے معزول شدہ خاندان کے مورث کی قبر ہے، قبر پر زرد پتھر کی ایک پرشوکت لوح ہے، جس کا قطر
چھ فٹ طول ۳ فٹ اور عرض ۲ فٹ ہے، بہت خوبصورتی سے مندرجۂ ذیل کتبہ اس پر کندہ کیا گیا ہے،

دریغ از خان والاشان قدر قدر قضا فرمان — اساس عدل را بنیان بنا شرع را بانی
جہان عز و شان فتحعلی خان آن فلک قدری — کہ داد از دی شرف قاچار را حق جہانبانی
دردریا تمکین آن بلند اقبال فرزانہ — کہ بودی در خور شخاقان اگر میکرد دربانی
زمین کشتی میکرد و نازان فلک سوگش زان — نمودی در صف ہیجا چو آغاز سرافشانی
عدو گر حملاش دیدی ز جان نومید گردیدی — سہا گردد نہان طالع چون شد خورشید نورانی
برائے دفع یاجوج ستم سدی شدی محکم — بعالم تیغ او آن سد دا و اسکندر ثانی
ز عالم رفت نالہ در غم او خلق را دائم — فرو ریزد ز جزع دیدہ ہا یاقوت رمانی
شہادت یافت چون آن نجوان کرد کار آخر — بہشت جاودان او شد محل زین دار ظلمانی
سوال سال تاریخش چو کردم از خرد گفت — مقامش سایہ طوبی بنا ہش لطف یزدانی

۱۱ ۳۹

در این قطعہ چہار دہ معصوم منظوم شیخ بہائی علیہ الرحمۃ کتبیہ شدہ است

ایک عربی قطعہ بخط نسخ سے کتبہ مزین ہو یعنی خدا کے لئے بقا ہو اور سب کیلئے فنا ہو کوئی خدا نہین الا اللہ محمد اللہ کا رسول
ہے علی اللہ کا ولی ہو، اس کے تحت مین اصل کتبہ بزبان فارسی ہے،

قدیم قابلِ اشاعت کتابین

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کے لئے

از

مولانا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

"نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے ذیل کے مکرمت نامہ کے ساتھ
یہ مضمون ارسال فرمایا ہے، اس مضمون کی اشاعت کی غرض مولانا ممدوح کے اس گرامی نامہ
سے ظاہر ہو گی"۔

مکرمی،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، دائرۃ المعارف نے یہ فہرست اس غرض سے میرے پاس بھیجی ہے کہ مین آپکی
خدمت مین بھیجکر یہ تحریک کرون کہ معارف مین شائع کی جائے تاکہ اہل الرائے علما اس پر رائے ظاہر فرمائین
کہ کون کون سی کتابین ان مین قابل اشاعت دائرہ ہین، اگر ان کتابون کے سوا اور کتابین
پیش نظر ہون، جو قواعد دائرہ کے مطابق قابلِ اشاعت ہون تو ان کا نام پتہ وغیرہ بھی ظاہر کیا جا سکتا
ہے، مقصد یہ ہے کہ ایک نظام العمل مرتب کر لیا جائے، اور اس کے بموجب کتابون کی تلاش، مقابلہ،
تصحیح وغیرہ کا اہتمام ہو کر طبع ہون، اس نظام العمل کے باہر کتابون کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

مقدمۂ فہرست

علمائے اسلام نے علوم و فنون کی تحصیل اور ان کی نشر و اشاعت مین جو کاوش محنت اور

جانفشانی کی ہو، وہ اپنی آپ نظیر ہے، دنیا کی تمام قومون نے اس افضلیت کو تسلیم کیا ہے، اور علمی طور پر قدر و منزلت کی ہے، گذشتہ چند صدیون سے ان ہی علوم سے استفادہ کرکے، قومین سنور رہی ہین، حکومتین منظم ہو رہی ہین، اور اصول و قوانین مدون ہو رہے ہین، آج بھی ایک عالم ان سے مستفید ہو رہا ہے، اور جدید تحقیقات سے ان مین وسعت معلومات پیدا کر رہا ہے، ابھی حال مین ایک پروفیسر نے لندن یونیورسٹی مین اس مضمون کا لکچر دیا، کہ "بیوگرافی یعنی تراجم کی تعلیم اور اس پر ریسرچ ایک خاص چیز ہے، اس سے علم نفسیات مین اضافہ ہوتا ہے، اس لئے ڈاکٹری کے نصاب مین اس پر پورا زور دینا چاہیے" اس نے اس کا بھی ذکر کیا ہے، کہ گذشتہ زمانہ مین اس کو بڑی اہمیت دیگئی تھی، خاندانی روایات پر بہت کچھ ذہنی ترقی کا دار و مدار تھا،

مغرب کی اس آواز کی قدر اب زیادہ کیجائے لیکن اس سے پہلے علماے اسلام نے اس فن پر ایسا عظیم الشان کام کیا ہے کہ کسی قوم کے پاس یہ سرمایہ موجود نہین کاش اب بھی اپنے جواہرات کی ہم قدر کرین،

علماے اسلام کے گران بہا تصانیف کی تلاش اور جستجو جاری ہے، ہر جگہ ریسرچ سوسائٹیان قائم ہو رہی ہین، نادر اور نایاب کتابین تحقیق اور تدقیق سے شائع کی جا رہی ہین، تقریباً تین چار صدیون سے یہ کام برابر ہو رہا ہے، لیکن ابتک علمی خزانے بھرے پڑے ہین، جنمین انمول موتیون کی کمی نہین ہے، اب بھی ایسے گھر ہین کہ جن سے قومین دولت سرمدی حاصل کر سکتی ہین،

جن محترم بزرگون نے دائرۃ المعارف کی بنا ڈالی، ان کے پیش نظر بھی یہی تھا، کہ علماے اسلام کے ان کارنامون کو جو ہماری نظرون سے پوشیدہ ہو گئے ہین، یا صرف کتبخانون مین محفوظ ہین، ان کی اشاعت کر کے خود فائدہ اٹھائین، اور دوسرون کو استفادہ کا موقع دین، خدا ان بزرگون پر اپنی رحمت نازل فرمائے، بڑے اخلاص کے ساتھ ان اولو العزم ہستیون نے اس کام کا آغاز کیا تھا، ان کے مخلصانہ خدمات ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج دائرۃ المعارف نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک مین

ایک اہم "علمی مجلس" شمار کی جا رہی ہے، اللھم زد فزد،

موجودہ وقت مین خوش قسمتی سے دائرۃ المعارف کو ایسے معزز اصحاب کی سرپرستی نصیب ہوئی ہے، جنکی اعانت بہت سے اہم مقاصد کی تکمیل کر سکتی ہے، خصوصاً اس عہد زرین مین جبکہ حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ نے علوم و فنون کی ترویج اور اشاعت مین ہر قسم کی سہولتین بہم پہونچائی ہین، احیاء علوم اور نشر فنون کی خدمت وسیع پیمانہ پر انجام دیجا سکتی ہے و لیس ذلک علی اللہ بعزیز،

گذشتہ رودادوں اور رپورٹون مین یہ طے شدہ امر ہے کہ دائرۃ المعارف مین آٹھوین صدی تک کی وہ کتابین طبع و شایع کیجائین، جو فنی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت رکھتی ہون، اس اصول موضوعہ کی پابندی ہمارے لئے ضروری ہے، اس وقت تک جب تک کہ آٹھوین صدی کے تصانیف کا سلسلہ ختم نہ ہو، ہم کو اپنے دائرہ کے مرکز سے ہٹنا نہ چاہیے، اس مین کوئی شبہ نہین ہے، کہ آٹھوین صدی کے بعد بعض ایسی اہم کتابین ملین گی، جو ہر حیثیت سے مفید ہون گی، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دوسری تیسری، چوتھی صدی کی نایاب کتابون کو ہم ضایع ہونے کا موقعہ دین، اگر ہماری بے التفاتی سے نایاب چیزین ضایع اور برباد ہو گئین، تو کیا اس علمی تباہی مین ہمارا ہاتھ بھی معاون ہوگا؟ معاذ اللہ!

آج بھی کتبخانون مین ایسے نوادر موجود ہین کہ جنکو دیکھنے سے حیرت و استعجاب کی حد نہین رہتی ہے، اور دوسری قومین ان نوادر کو محفوظ رکھنا اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھتی ہین، کاش ہماری مجلس ان کی اشاعت مین حصہ لیتی تو ایک بڑا اور اہم علمی کام انجام پاتا،

الحمد للہ خوش قسمتی سے دائرۃ المعارف کے لئے بعض قلمی کتابون کی تلاش کے سلسلہ مین مجھے کئی بار حسب ذیل کتبخانون کے دیکھنے کا موقعہ ملا، ان سفرون مین بعض قلمی نوادر کی زیارت کا بھی فخر حاصل ہوا،

(۱) کتب خانہ ریاست رام پور، (۲) پٹنہ لائبریری،

(۳) کتبخانہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۴) کتبخانہ مولانا ناصر حسین صاحب لکھنؤ

(۵) ״ فرنگی محل، ״ (۶) ״ حبیبیہ حبیب گنج علی گڈھ

(۷) ״ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ (۸) ״ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

(۹) ״ مدرسۂ عالیہ کلکتہ (۱۰) ״ دار المصنفین اعظم گڈھ

(۱۱) ״ آصفیہ حیدر آباد (۱۲) ״ ریاست سلیم پور

زیر ترتیب فہرست مین ان کتب خانون کے علاوہ مندرجہ ذیل کتبخانون کی فہرست اور کیٹلاگ سے، اور نیز بعض مشہور علماء اور مستشرقین کے خطوط سے اقتباس کیا گیا ہے،

(۱) فہرست کتبخانۂ خدیویہ جدید و قدیم (۲) فہرست کتبخانۂ آصفیہ حیدر آباد

(۳) کیٹلاگ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ (۴) کیٹلاگ مدرسۂ عالیہ کلکتہ

(۵) رسالہ معارف اعظم گڈھ (۶) کیٹلاگ پٹنہ لائبریری

(۷) معجم المطبوعات (۸) اکتفاء القنوع،

(۹) فہرست کتبخانہ جامع مسجد بمبئی، (۱۰) مکتوبات مسٹر کرنکو المانی

(۱۱) مکتوبات شاہ احسان اللہ صاحب سندھی (۱۲) مضامین مولانا سید سلیمان ندوی،

(۱۳) مخطوطات موصل، (۱۴) مکتوبات مولانا محمود حسن صاحب مصنف معجم المصنفین،

ان نوادر کی پوری فہرست کی ترتیب ایک بڑا کام ہے، جس کے لئے وقت، فرصت، اور کسی بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے، لیکن تاہم ہر فن کے لحاظ سے چند کتابین منتخب کی گئی ہین، جو درحقیقت "امہات الکتب" کے لقب سے یاد کیجا سکتی ہین،

فن تفسیر: تفسیر قرطبی، تفسیر ثعلبی، اور تفسیر ثعالبی، وغیرہ خاص طور پر قابل تذکرہ ہین، ان کے نادر نسخے کتب خانون مین محفوظ ہین،

فن حدیث، متون حدیث کی اشاعت ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ مستدرک و سنن بیہقی اسی لحاظ سے منتخب کی گئی ہین، اور آیندہ کے لئے مسند ابی یعلی، مسند ابی عوانہ، مصنف عبد الرزاق وغیرہ کا انتخاب مناسب ہوگا، حدیث کی پہلی تصنیف کتاب الزہد والرقائق للامام عبد اللہ بن مبارک المتوفی سنہ ۱۸۱ھ کے ایک نادر نسخہ کا پتہ چلا ہے، جو سنہ ۲۲۵ھ کا لکھا ہوا جامع قرویین مین ہے، غریب الحدیث لابی عبید قاسم بن سلام اللغوی المتوفی سنہ ۲۲۵ھ (۴۰) سال کی محنت سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے، اس کا ایک نسخہ کتبخانہ رامپور مین ہے،

اصول حدیث: متقدمین کی اس موضوع پر بہت کچھ کتابین شائع ہوئین، سب سے اہم تصنیف معرفۃ علوم الحدیث حاکم کی ہے، جس کے نسخے ہندوستان مین کئی جگہ موجود ہین،

فقہ: فقہ حنفی کے اصول کی اشاعت ہمارے پیش نظر ہے، تاکہ اس فن کی اہم ترین کتابین شایع ہوسکین، شرح الجامع الصدر الشہید کا ایک نادر نسخہ کتبخانہ آصفیہ مین ہے، جو آٹھوین صدی کا لکھا ہوا ہے، اور اس پر فقہاء کے حواشی ہین،

کلام: التقریب والارشاد کلام مین ایک مبسوط کتاب ہے، کتبخانہ آصفیہ مین بخط مصنف اس کا نسخہ سنہ ۴۰۳ھ کا مکتوبہ موجود ہے،

نہایۃ المرام فی درایۃ الکلام لعمر بن الحسین الطبری کا نادر نسخہ کتبخانہ آصفیہ مین سنہ ۵۵۵ھ کا مکتوبہ جس پر مصنف کی اجازت بھی موجود ہے،

رجال — اس فن پر جو کتابین ابتک دائرۃ المعارف سے یا دوسری جگہ سے شایع ہوئی ہین، وہ زیادہ تر متاخرین کی ہین، متقدمین کے تصانیف کی اشاعت سے حدیث کو بڑی تقویت پہونچے گی، ثقات ابن حبان، الاکمال لابن ماکولا خصوصیت سے قابل ذکر ہین،

طبقات — طبقات حنابلہ مین کوئی کتاب ابتک شایع نہین ہوئی ہے، ابن رجب اور ابی یعلی موصلی کے طبقات کے نسخے پٹنہ لائبریری مین قدیم الخط موجود ہین،

تاریخ — تاریخ کبیر بخاری جو بالکل نایاب ہے، اس کا ایک جز کتبخانہ آصفیہ مین موجود ہے، تاریخ ابن خیثمہ المتوفی ۲۷۹ھ جو طبری سے مقدم ہے اس کا ایک نادر نسخہ جامع القرویین مین ہے، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر الجزری، اس کے نسخے بھی نادر الوجود ہین،

لغت — ابنیۃ الافعال والاسماء والمصادر لابن القطاع جو اس موضوع پر ابن قوطیہ کے بعد دوسری کتاب ہے اس کا نادر نسخہ رامپور مین ہے،

اصلاح المنطق لابن السکیت کا ایک نادر نسخہ ۵۹۵ھ کا مکتوبہ کتبخانہ آصفیہ مین موجود ہے، طبقات الشعراء مین دمیۃ القصر اور ادب مین المستجاد مخصوص کتابین ہین،

ادب — ہیئت اور ریاضی اور کیمیا کے رسائل بھی قابل قدر ہین،

یہ فہرست حسب الحکم عالی جناب معتمد صاحب دائرۃ المعارف مرتب کی گئی ہے، اور مصححین

دائرۃ المعارف کے سامنے بغرض مشورہ پیش کی گئی ہے، مولوی سید زین العابدین میر شعبۂ ادبیہ دائرۃ المعارف بھی اس کی ترتیب مین شریک کار رہے،

مین جناب معتمد صاحب دائرۃ المعارف و دیگر معزز ارکان مجلس کا ممنون ہون کہ جنھون نے اس کی ترتیب کا مجھے موقع مرحمت فرمایا، وما توفیقی الا باللہ،

(باقی)

مسلمان جغرافیہ دان

از

جناب پروفیسر ہارون خانصاحب شروانی عثمانیہ یونیورسٹی

بسلسلۂ گذشتہ

مشہور و معروف جغرافیہ دان، ادریسی، اور ابو الفداء

مسلمان جغرافیہ دانون کی بابت یوروپیون نے جو تحقیقات کی ہے، وہ مفصلۂ ذیل حاشیہ سے ظاہر ہوگی:-

موسیو گویے (Goeje) نے لیڈن سے جو سلسلۂ جغرافیہ دانانِ عرب (Bibliotheca Geographorum arabicorum.) شائع کیا ہے، اس مین مفصلۂ ذیل مصنفون کی کتابین اصل عربی مین شامل ہین:-

جلد ۱ اصطخری، جلد ۲ ابن حوقل، جلد ۳ مقدسی، جلد ۴ اشاریہ، لغات و صحت نامہ جلد ۱ تا ۳، جلد ۵ ابن الفقیہ الہمدانی، جلد ۶ ابن خورداذبہ، جلد ۷ یعقوبی، جلد ۸ کتاب التنبیہ (مسعودی) دلچسپ سفرنامون مین مفصلۂ ذیل شمار کرنے چاہئین:-

(۱) سفرنامہ ابن فضلان جو ۳۰۹ھ (دسوین صدی عیسوی) مین خلیفہ المقتدر کے سفیر کے ساتھ شاہ بلغاریہ کے دربار مین گیا، اس نے اس زمانے کے روسیون کے رسم و رواج پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، (۲) سفرنامہ ابودلف، یہ چینی سفراء کے ساتھ جو بخارا سے واپس جا رہے تھے، چین گیا، اور وہان کے حالات لکھے، فرین (Fraehn) قدیم زمانے کے روسیون کے متعلق ابن فضلان و دیگر عربون کے خیالات (Ibn Foszlans und anderer Araber Berichte ueber die Russen aelterer Zeit.) اصل و ترجمہ سینٹ پیٹرسبرگ ۱۸۲۳ء، العروسی نے بھی جو موصل کا ایک راہب تھا، اور جس نے ۶۲۶ھ مین وفات پائی، اس زمانے کی عمارتون اور کھنڈرون کے بارے مین اپنی ایک تالیف چھوڑی ہے، ان کے علاوہ البلاوی جو چودھوین صدی عیسوی مین قنطوریہ کا قاضی تھا، اور محی الدین البکری جس نے اٹھارھوین صدی عیسوی مین اپنا سفرنامہ لکھا ہے، قابلِ ذکر ہین،

چارلس شیفر "مسلمانون کے تعلقات چینیون کے ساتھ از ابتدا تا ۱۶ء" (Ch. Schefer Notices sur les relations des peuples musulmans avec les chinois, depuis l'extension de l'Islamisme jusqu'à la fin du quinzième siècle) مدرسۃ السنۃ مشرقیہ (پیرس) کے سووین سالگرہ کے موقعہ پر جو مجموعۂ مضامین شائع ہوا تھا، یہ مضمون اس مین شامل ہے)

ابو عبد اللہ محمد الادریسی: یہ ممکن ہے کہ ادریسی عرب جغرافیہ دانون مین سب سے بڑا جغرافیہ دان نہ ہو، اس لئے کہ اس کی معلومات مین نہ اتنی قطعیت پائی جاتی ہے نہ اس قدر تعین، لیکن یورپ مین علماء و مستشرق اس کے نام سے عرصۂ دراز سے واقف چلے آتے ہین، اور جب اربابِ علم و فضل مین جغرافیہ کا ذکر ہوتا ہے، تو ابو الفداء کے نام کے ساتھ خواہ مخواہ ادریسی کا نام بھی زبان پر آتا ہے، اس کی کتاب کی اہمیت مین کسی کو شبہہ نہین ہو سکتا، اور رینو (Reinaud) کہتا ہے کہ "اسطرلاب کی طرح وہ ہر آئین ایک ایسی یادگار کے مماثل ہے، جو جغرافیہ کے اعزاز مین قائم ہوئی ہو"[1] اس کا ایک شخص

---

[1] رینو: تمہید، صفحہ ۵۵ وغیرہ،

نہایت قدیم زمانے مین شائع ہوا تھا، ژان ہید دو مارونیون یعنی جبرئیل سیونیتا اور یوحنا ہسرونیتا نے (جو دربار شاہی مین عربی اور سریانی زبانون کے ترجمان تھے) ۱۶۱۹ء مین اس کا ترجمہ شایع کیا، جس کا لاطینی نام جغرافیہ نوبیہ (Geographia nubiensis) ہے، لیکن مترجمون نے اپنے ترجمون کے سرورق پر کہین اصل مصنف کا نام نہین لکھا، حال مین ژوبیر (Jaubert) نے ادریسی کا فرانسیسی زبان مین مکمل ترجمہ کر دیا ہے، لیکن اس مین بھی بہت کچھ ترمیم کی گنجایش ہے،[1]

ادریسی، جس کے نام کے ساتھ عرب مصنف "شریف" کا معزز لقب ستزاد کرتے ہین، علوی خاندان ادریس کا ایک رکن تھا، اور یہ وہی خاندان ہے، جس سے سلاطین مراکش متعلق ہین، وہ شہر سبتہ مین ۴۹۳ھ مین پیدا ہوا جہان اس کے اعزا و اقارب جا کر آباد ہو گئے تھے، یہان سے اس نے قرطبہ جا کر تعلیم حاصل کی اور اپنی نو عمری ہی کے زمانے مین مختلف اطراف مین سفر کیا، وہ اپنی کتاب مین لکھتا ہے کہ وہ اشبونہ گیا اور اندلس، مراکش، اور قسطنطین کی کانون کی سیر کی، اور گو فرانس و انگلستان کے تذکرے مین اس نے غلطیان کی ہین لیکن وہ لکھتا ہے، کہ ان دونون ملکون کے ساحلون تک بھی گیا تھا، ابو الفدا نے اس کا ایک اقتباس دیا ہے[2]، جو مفصلۂ ذیل ہے، "مین نے خود اپنی آنکھون سے بحر ظلمات مین یعنی بحر المحیط کے اس حصے مین جو ہسپانیہ و برطانیہ کے مغرب مین واقع ہی، مد و جزر کی کیفیت دیکھی ہے، مد کا وقت تو دن کے تیسرے گھنٹے سے نوین گھنٹے تک ہے، اور چھٹے گھنٹے سے مغرب تک پانی گھٹتا رہتا ہو، پھر وہ چھ گھنٹے تک چڑھتا ہے، اور اس کے بعد پھر گر جاتا ہے، ....
بلند ترین موجین قمری مہینے کی تیرھوین چودھوین پندرھوین اور سولھوین تاریخون مین دیکھنے مین

[1] ژوبیر کا ترجمہ انجمن جغرافیہ پیرس کے شائع کردہ سلسلے کی جلد ۵ و ۶ مین شامل ہے، ادریسی کے موضوع پر دوسری تصانیف کے لئے دیکھو بروکلمان تاریخ ادبیات عرب "BROCKELMANN: GESCKDEYARABISCRENLITERATUR" (- جلد ا صفحہ ۴۷۷، [2] جغرافیہ ابو الفدا جلد ا صفحہ ۳۲.

آتی ہین، ان تاریخون کی راتون مین پانی معمول سے کہین زیادہ بڑھتا ہے، اور ساحل کے ان ان مقامات پر پہونچ جاتا ہی جہان علی العموم اس کا پہونچنا محال ہوتا ہے، یہ سب ممالک مغرب کے باشندون کی آنکھون کے سامنے ہوا کرتا ہے، اور اسمین کسی قسم کے شک و شبہہ کی مطلق گنجایش نہین ہے"
ادھر مشرق مین ادریسی ۵۱۰ھ مین ایشیائے کوچک تک گیا،

ادریسی نے روجر دوم شاہ سسلی کے دربار مین بھی کچھ زمانہ بسر کیا، اور ہم اسے ۵۴۸ھ مین ہین پاتے ہین، اس کا سوانح نگار الصفدی کہتا ہے کہ "روجر کو فلسفیانہ مباحث سے بہت دلچسپی تھی چنانچہ اس نے ادریسی کو افریقہ سے طلب کر کے اس سے کہا کہ کوئی ایسی چیز بناؤ جس سے زمین کی اصلی حالت کا اندازہ ہو جائے، اس پر ادریسی نے چاندی کا ایک ٹکڑا طلب کیا چنانچہ بادشاہ نے فوراً چار لاکھ درہم وزن چاندی اس کے حوالہ کر دی، اس نے اس چاندی پر ایک کے اوپر دوسرے متعدد دائرے بنائے جن سے مراد کرہ جات افلاک سے تھی، اور ایک دوسرا مدور ٹکڑا لیا جس سے ہماری زمین مراد تھی، ادریسی کے کہنے کے مطابق روجر نے ایک عظیم الجثہ کرہ ڈھلوایا جو ساڑھے چار سو رومن پونڈ کا تھا جس کا ہر پونڈ ۱۲ درہم کا مساوی تھا جب یہ ڈھل چکا تو اس بادشاہ کو خیال آیا کہ کوئی کتاب ایسی ہونی چاہئے جس مین روے زمین کا مفصل ذکر ہو، اور جس کے ذریعہ سے اس کرہ کی ہیئت کذائی کو سمجھایا جا سکے، شریف ادریسی کہتا ہے کہ اس نے اس مقصد کے لئے مختلف اطراف عالم مین اپنے نمایندے بھیجے تاکہ وہ ان ممالک کے جغرافیہ پر یادداشتین مرتب کرین، اور جو جو چیزین انھین قابل لحاظ معلوم ہون، ان کا بیان سپرد قرطاس کر لین، جب یہ سب مواد حاصل ہو گیا تو ادریسی نے اسے جمع کر لیا، اور اپنی شہور آفاق کتاب "نزہۃ المشتاق" تالیف کی، اور ساتھ ہی اسے روجری کا لقب دیکر گویا شاہ سسلی کے نام پر معنون کر دیا، اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جزیرۂ سسلی کے بندرگاہون مین ہمیشہ جہاز آتے جاتے رہتے تھے، چنانچہ وہ مسافرون، حاجیون، اور دوسرے لوگون سے بھی ہمیشہ

مختلف قسم کی معلومات حاصل کرتا رہتا تھا، نیز چونکہ وہ ایک عیسائی بادشاہ کا درباری تھا اس لئے اسے اٹلی، فرانس، الیریہ اور جرمانیہ کے متعلق وہ باتین معلوم تھین جنکا اس سے پہلے کے عرب جغرافیہ دانون کو پتہ بھی نہین تھا، اور اس نے جزیرہ نمائے اسکان ڈی نیویا تک کے بابت لکھا ہے، جس کی نسبت قدما کو بعض دھندلا سا علم تھا، گو وہ اندرون بر اعظم افریقہ کی بابت بھی وہ بہت کچھ جانتا تھا، لیکن ایک قدیم مغالطے مین پڑ جانے کی باعث وہ اس بر اعظم کو خط استوا کے جنوب مین اتنا بڑھا دیتا ہے کہ وہ بحر ہند جنوبی کو تقریباً کلیۃً گھیر کر گویا ایک دوسرا البحر المحیط بنا دیتا ہے، کتاب نزہۃ المشتاق کے ساتھ بہت سے نقشے بھی تھے، لیکن ان مین غلطیان بھری ہوئی تھین،

ابو الفداء

ابو الفداء کے جغرافیہ کا نام "معجم البلدان" ہے، اور ادریسی کے "نزہۃ" کی طرح اس سے بھی مدت مدید سے یورپ والے واقف ہین، چنانچہ رینو کہتا ہے کہ ۱۷وین صدی کے نصف ابتدائی مین شیکارڈ نے اس کا ترجمہ کیا تھا جو شائع نہین ہوا، چند سال بعد یعنی ۱۶۵۰ء مین گراویس نے خوارزم، اور ماوراء النہر کی بابت اس کتاب کے چند اقتباسات لندن مین شایع کئے، ادھر لیڈن مین رائزکے نے ۱۷۷۰ء مین اس کا ترجمہ لاطینی زبان مین کرکے بوشنگ نامی ناشر کے ذریعہ سے شائع کرایا، اور ف، ڈ، میخائلس نے مصر کے بابت حصون کا اسی زبان مین ترجمہ کرکے گیوٹنگن مین ۱۷۷۶ء مین شایع کیا، ۱۷۹۱ء مین آنج ہورن نے افریقہ کے جغرافیہ کا ترجمہ کرکے گیوٹنگن ہی سے اس کی اشاعت کرائی، اور زولوے نے ۱۸۳۹ء مین مغرب کے حصص کا ترجمہ فرانسیسی زبان مین کرا کر اسے الجزائر مین طبع کرایا، آخرکار اس کی مکمل اشاعت اور اس کا نصف ترجمہ رینو اور دوسلین نے کیا جو ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۸ء مین پیرس مین طبع ہوا، باقی جو حصے رہ گئے تھے، ان کا ترجمہ گیویارڈ نے ۱۸۸۳ء مین مکمل کردیا، فی نفسہ اس توجہ سے جو تین سو سال سے یورپ والے اس کتاب کی طرف کر رہے ہین، اسکی نوعیت معلوم ہوتی ہے، رینو کہتا ہے کہ "محض بعض نقادانہ خیالات کی وجہ سے یہ نہین کہا جا سکتا کہ ابو الفداء کا

جغرافیہ ادریسی کی کتاب کی طرح ایک اول درجہ کی تصنیف نہین ہو، اور ہمارے نزدیک از منۂ وسطیٰ مین یورپ ایسی ایک کتاب بھی دنیا کے سامنے پیش نہین کر سکا،" ابو الفدا خاص طور پر ملک شام اور اس کے قریب کے ممالک کے بیان کی بابت اول درجہ کی سند ہے، باقی حصون کے لئے وہ اپنے سے پہلے جغرافیہ دانون بالخصوص ادریسی، ابن حوقل اور اصطخری کا اتباع کرتا ہے، اور ساتھ ہی ابن سعید کی کتاب اور البیرونی کے "قانون مسعودی" سے کام نکالتے ہوئے، فی الجملہ بطلیموس کے قدم بہ قدم چلتا ہے،

ابوریحان بیرونی کی ایک نئی کتاب،

از

مولانا سید ابوظفر ندوی سابق مدرس عربی و فارسی مہاودیالے احمد آباد،

گو ابھی تک علامہ ابوریحان بیرونی کی صرف دو ہی کتابین کتاب الہند اور آثار باقیہ، پروفیسر سخاؤ کے اہتمام سے چھپکر شایع ہوئی ہین، مگر قانون مسعودی تفہیم اور اس کے دوسرے رسائل کتبخانون مین ملتے ہین، تاہم اس نے خود اپنی تصنیفات کی جو لمبی فہرست دی ہے، اسمین سے آج بہت سی کتابین ناپید ہین، اور شاید اس کی یہ فہرست بھی مکمل نہین، اور عجب نہین کہ اس فہرست کی تحریر کے بعد اس نے کچھ اور کتابین تالیف کی ہون، کیونکہ ہم آج اس کی ایک ایسی کتاب کا ذکر کرنا چاہتے ہین، جسکا نام اس فہرست مین نظر نہین آتا، لیکن اندرونی اور بیرونی دونون شہادتین اس کی ملتی ہین کہ یہ بیرونی کی تصنیف ہے،

یہ ایک ہندی زیچ (ستارون کی جدولین) کا عربی ترجمہ ہے، اس ہندی زیچ کے مصنف کا نام بجیانند، اور اس کے باپ کا نام جہانند تھا، بنارس کا رہنے والا تھا، اس کی اس زیچ کا نام کرن تلک ہے، جسکا عربی ترجمہ "غرۃ الازیاج" (زیچون کی کرن یا روشنی) ہے، بیرونی نے سنسکرت سے عربی مین اسکا ترجمہ کیا، یہ ستر صفحون کا مختصر رسالہ ہے، آخر کے کچھ صفحے کم ہین،

یہ قلمی نسخہ ابھی حال مین کتبخانہ شاہ پیر محمد صاحب احمد آباد مین خرید کر داخل کیا گیا ہے، اور وہین یہ میری نظر سے گذرا، اس کی ابتدائی سطرین جنمین اس کتاب کا پورا حال ہے حسب ذیل ہین،

زیچ بجیانند البنارسی الذی سمّاہ "کرن تلک" ومعناہ غرّۃ الزیجات قال الاستاذ ابو الریحان محمد بن احمد البیرونی کنت وجدت عند الہند زیجا مختصرًا صغیرًا عملہ بجیانند بن جہانند وہو احد المفسّرین ببلد البنارس المقصود عندہم بالتعظیم من جہۃ النحلۃ وسمّاہ غرّۃ الازیاج،

بجیانند بنارسی کی زیچ جسکا نام اس نے کرن تلک رکھا تھا، اس کے معنی زیجون کی کرن یعنی شعاع ہے، استاذ ابوریحان محمد بن احمد بیرونی نے کہا، کہ مین نے ہندوؤن کے پاس ایک چھوٹی سی مختصر زیچ دیکھی، جس کو جہانند کے بیٹے بجیانند نے بنایا تھا، اور وہ بنارس مین جو انکا مذہبی مقدس شہر ہے اس علم کے شارحون مین سے ایک تھا، اور اس کا نام اس نے زیجون کی کرن رکھا تھا،

اس عبارت مین کتاب اور مصنف کے نامون کے ساتھ مترجم کا نام بھی ابوریحان بیرونی مذکور ہے، اور یہ کہ ہندوستان کی سیاحت کے زمانہ مین جو پانچوین صدی ہجری کے شروع مین سلطان محمود غزنوی کے عہد مین اس نے کی تھی، یہ کتاب پائی،

اس کتاب کے دوسرے صفحہ مین ایک اور عبارت ہے، جس سے اس کے اسی عہد مین تالیف پانے کی اندرونی شہادت ملتی ہے، وہ عبارت یہ ہے۔

وتمثّل ذلک بیوم مشہود لیکن یوم التقاء السلطان محمود مع الخان یوسف رحمہما اللہ وکان علی ثلثۃ بسمرقند بین العسکرین یوم الخمیس،

اور ایک ایسے دن مین جسمین بہت لوگ تھے یہ تمثل ہوا اور وہ دن تھا جسمین سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ یوسف خان رحمۃ اللہ علیہ سے مقابل ہو، سمرقند مین تین دن کے راستہ پر یا تین منزل پر جمعرات کے دن دونون فوجون مین مقابلہ واقع ہوا۔

یوسف خان سے مراد غالبًا قدرخان یوسف بن بغراخان ہارون والی ترکستان اور سلطان محمود غزنوی کے درمیان کئی لڑائیاں پیش آئین، سلطان محمود نے ۴۲۱ھ مین اور قدرخان یوسف نے ۴۲۳ھ مین وفات پائی، اور چونکہ بیرونی نے ان دونون کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ لکھے ہین، اس لئے یہ ماننا

پڑیگا، اس نے یہ کتاب اس کے بعد لکھی ہے، اور خود اس کی وفات سنہ [illegible]ھ کی ہے،

اس کتاب کے چند ابواب کے عنوانات یہ ہین:-

۱- استخراج وسط الشمس،

۲- استخراج اوج القمر،

۳- استخراج وسط الراس وتقویمہ،

۴- معرفۃ تحقیق وسط الراس،

۵- معرفۃ تصحیح الاوسط فی البلدان،

۶- استخراج قوس الجیب،

۷- معرفۃ استخراج وسط المریخ،

۸- معرفۃ استخراج تعدیل الخاصہ،

۹- معرفۃ مقادیر الکواکب،

۱۰- معرفۃ ما مضی من القمر،

اس نسخہ کے آخری صفحہ کا عنوان "معرفۃ بیتبات وبید ہرت" ہے، یہ دونون سنسکرت کی اصطلاحین معلوم ہوتی ہین، اس کے بعد کتاب ناقص ہے،

اگر کسی صاحب کو اس کتاب کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہو، یا اس کے کسی کامل نسخہ کا پتہ ہو تو معارف کے ذریعہ مطلع فرمائین،

مثنوی خوب ترنگ کے مصنف

شاہ خوب محمد کے کچھ مزید حالات

از قاضی نور الدین صاحب قاضی بھروچ

مین نے آنجناب کو بمبئی خطوط لکھے تھے، جن مین حضرت شاہ خوب محمد صاحب قدس سرہ کے جو حالات مجھے معلوم تھے وہ عرض کئے تھے، بعد ازان بندہ نے حضرت شاہ خوب صاحب کے متعلق انکے خاندان کے موجودہ سجادہ نشین قاضی سید محمود میان ولد خوب میان صاحب سے مزید حالات دریافت کئے تھے، جس کا جواب ان کی طرف سے گذشتہ ماہ ۲۹ مئی سنہ ۳۱ء کو تحریر کیا ہوا بندہ کو ملا ہے، وہ لکھتے ہین کہ قدیم زمانہ مین دہلی سے حسن خان نامی صوبہ دار گجرات مین مقرر ہوئے تھے (غالباً دستی خان سنہ ۱۳۷۶ء سے سنہ ۱۳۹۱ء) جن کو فرحت الملک کا خطاب دیا گیا تھا، اس صوبہ دار نے فرحت الملک نامی مسجد تیار کی تھی، جس کو فی الحال شاہ خوب کی مسجد کہتے ہین، یہ مسجد احمد آباد مین تین دروازہ کے باہر کارنجہ کے قریب راستہ پر ہے، چونکہ یہ مسجد خاص بازار کے قریب واقع ہے، اس لئے اس کو خاص بازار کی مسجد بھی کہتے ہین، قاضی محمود میان مذکور بعد مین تحریر کرتے ہین کہ "ان کے جد بزرگ حضرت شاہ خوب محمد صاحب کو گجرات کے صوبہ دار منور الدین خان کے زمانہ مین فرحت الملک والی مسجد کی خطابت اور امامت کا منصب ملا تھا" اسی زمانہ مین انھون نے خوب ترنگ اور دیگر تصنیفات کین، ان کا انتقال یہین احمد آباد مین ہوا، اور یہین (اسی مسجد مین) مدفون کئے گئے، اور عرس بھی ہر سال شعبان کی ۱۵ تاریخ کو ہوا کرتا ہے، ان کے خاندان مین اسی مسجد کی خطابت اور امامت ابھی تک چلی آتی ہے، اس خط کی تحریر سے جناب کو روشن ہوگا کہ حضرت شاہ خوب محمد صاحب کا انتقال احمد آباد مین ہوا ہے، اگر جناب کو مزید حالات معلوم کرنے ہون تو قاضی صاحب کو سے خط و کتابت کرین، وہ تحریر کرتے ہین کہ بہت سی کتابین انکے ہان سے گم ہوگئی ہین،

تلخیص و تبصرہ

قیامت کا اعتراف سائنس کی زبان سے

ناظرینِ معارف نے قیامت کا نقشہ یعنی عالم مادی کے انجام، زمین و آسمان کی تباہی اور مخلوق ارضی کی بربادی اور فنا کی داستان حقیقت پیغمبرون کی تعلیمات صحف سماوی کے اوراق اور علماء و واعظین کی زبانون سے بارہا دیکھی اور سنی ہوگی، لیکن شاید سائنس کی زبان سے اس کے اعتراف کا گمان بھی کسی کے دل مین نہ گذرا ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ سائنس جسقدر ترقی کرتی جاتی ہی، اسی قدر مذہب کے پُر اسرار چہرہ سے نقاب ہٹتی جاتی ہے، اور اس کا جمال نمایان ہوتا جاتا ہی، آج ہم علماء سائنس کی زبان سے قیامت کا اعتراف سناتے ہین، اور ان کا کھینچا ہوا نقشہ قیامت دکھاتے ہین، امید ہے کہ آج کل کے مدعیانِ فضل و کمال، اور ان کے پیرو اس تذکرہ سے فائدہ اٹھائین گے،

سائنس کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے، کہ ساری کائنات مین کون و فساد کا سلسلہ جاری ہی، اور ہر وہ دنیا (جرم) جو پیدا ہوتی ہو، اپنی تکوین اور پیدائش کے بعد نشو و ارتقا کے تدریجی مراحل طے کرتی اور مختلف دورون سے گذرتی ہوئی جب اوجِ کمال تک پہونچ جاتی ہی، تو پھر اس پر ضعف و اضمحلال کے آثار طاری ہوتے ہین اور رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوتے ہوتے بالآخر فنا ہو جاتی ہے، اسکی فنا کے ساتھ اس کے متعلقہ نباتات و جمادات بھی فنا ہو جاتے ہین، لیکن تکوین، نشو و ارتقا اور زوال و فنا کا یہ عمل معمولی مدت مین نہین، بلکہ لاکھون اور کرورون قرن مین جا کر پورا ہوتا ہی، بلکہ اس کے ہر ہر دور مین اتنا طویل زمانہ لگتا ہے کہ عقل بشری اس کا استدراک نہین کر سکتی، اور جب کائناتِ عالم کا کوئی جرم ذروۂ کمال

تک پہونچ کر انحطاط کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اس کے عناصرِ حیات اس جرم کو چھوڑ کر دوسرے جرم مین منتقل ہو جاتے ہین، اس نئے وطن مین آنے کے بعد پھر اس کی فطرت اور اس کے قوانینِ طبیعت کے مطابق نئے سرے سے ان مین نشو و نما شروع ہوتا ہے، اور چونکہ اس جرم کے قوانینِ ارتقا سابقہ جرم کے قوانین سے مختلف ہوتے ہین اسی لئے گذشتہ زندگی کے مقابلہ مین اس نئی زندگی مین عناصرِ حیات کی شکل و صورت وضع و قطع اور خواص و وظائف سب بدل جاتے ہین، اور ان مین نئے عوامل اور مقتضیات کے مطابق نشو و نما ہوتا ہے،

اس مسلمہ مسئلہ کے ساتھ یہ بھی ایک متفقہ مسئلہ ہے، کہ علماءِ حیاتیات کی بڑی جماعت کا یہ عقیدہ کہ آغازِ حیات کے جراثیم کرۂ ارض مین کسی دوسرے عالم سے آئے ہین، اور آئندہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب وہ اس دنیا سے منتقل ہو کر کسی دوسرے جرم مین ارتقائی منازل طے کرین گے، پھر جب اس جرم مین بھی زوال شروع ہوگا، تو پھر یہ جراثیم کوئی دوسرا وطن تلاش کرین گے،

ان دونون مسئلون اور فطری قوانین سے موجودہ علماءِ فلکیات اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ تمام اجرام فلکی ایک نہ ایک دن اپنا دورِ ارتقا پورا کر کے زوال پذیر ہون گے، اور ان کے عناصرِ حیات اس جرم کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی نئی دنیا آباد کرین گے، چنانچہ حال مین کیمبرج یونیورسٹی کے ایک ممتاز اور بلند پایہ استاد، پروفیسر ہالڈین نے کرۂ ارض کے انجام پر ایک پر مغز مقالہ سپردِ قلم کیا ہے، موصوف کے یہ خیالات محض ظنی اور قیاسی نہین ہین، بلکہ انھون نے اس کی تائید مین نہایت پر زور علمی عقلی اور نقلی دلیلین پیش کی ہین، بطورِ ذیل مین ان کے خیالات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، پروفیسر مذکور نے اس کو مستقبل بعید کے مورخ کے انداز مین لکھا ہی، لیکن ہم اس مین ترمیم کر کے قلم حال سے نقشہ دکھلاتے ہین، پروفیسر مذکور لکھتے ہین کہ:-

ہمارے موجودہ سنہ کے حساب سے ۴۰ ملین برس مین ہمارا کرۂ ارض زوال پذیر ہو جائیگا

سنہ [illegible] ء سے لیکر سنہ [illegible] تک کرۂ ارض کے تمام انسان اور حیوان ترقی کرکے اوجِ کمال پر پہونچ جائین گے، اور سنہ [illegible] مین سنہ [illegible] ء کے مقابلہ مین دونا دن ہوجائیگا اور کرۂ ارض پر آبادی کی اتنی کثرت ہوجائیگی کہ انسانون کی مزید آبادی کے لئے بہت کم زمین باقی رہیگی، نیز کرۂ ارض کی حرکت اس کے محور پر برابر گھٹتی جائیگی، اس لئے انسان آنے والی مصیبت سے بچنے کی صورتون پر غور کریگا لیکن اس کو سوائے اس کے سفر کی کوئی صورت نہ نظر آئے گی کہ وہ کرۂ ارض کو چھوڑ کر کسی دوسرے کوکب کو آباد کرے، لیکن یہان تک رسائی مشکل ہوگی، اس لئے وہ فن پرواز کو ترقی دیکر ایک معدنی طیارہ کے ذریعہ سے جو گولہ کی ساخت کا ہوگا، زادِ سفر اور آکسیجن لیکر مریخ کا سفر کریگا، لیکن ابتدا مین اس کی تمام کوششین ناکام رہینگی، کیونکہ زمین کی کشش اس کے طیارہ کو زیادہ دور تک نہ جانے دیگی، مگر اس ناکامی سے اس کے استقلال مین فرق نہ آئیگا اور پیہم کوشش سے بالآخر سنہ ۹۲۳۸۱۱ مین پہلی انسانی مہم مریخ تک پہونچ جائیگی، لیکن یہان پہونچ کر یہ حوصلہ شکن راز منکشف ہوگا اس کرہ مین انسانی آبادی کی صلاحیت ہی نہین ہے، چنانچہ یہ مہم کرۂ ارض کے باشندون کو اشارہ کے ذریعہ سے اس کی اطلاع دیگی، اس تلخ تجربہ کے بعد دوسرے انسان اس کرہ مین آبادی کا خیال ترک کردینگے اور ایک عرصہ تک اس خیال پر قائم رہین گے،

لیکن پھر جون جون زمانہ گذرتا جائیگا، کرۂ ارض کی گردش اس کے محور پر اور سست پڑتی جائیگی اور ایک زمانہ ایسا آجائیگا کہ گردش کی سستی کی وجہ سے اس زمانہ کا دن ہمارے موجودہ دنون کے مقابلہ مین ۱۰۰ گنا زیادہ ہوجائیگا، اسی تناسب سے رات بھی طویل ہوجائیگی، رات اور دن کی اس طوالت کی وجہ سے گرمی اور سردی اتنی شدید پڑنے لگے گی، کہ اس کی برداشت انسانی طاقت سے باہر ہوجائیگی، لیکن سائنس اتنی ترقی کرچکی ہوگی کہ انسان اس کے ذریعہ سے رات کو گرم اور دن کو ٹھنڈا کرنے کا سامان کرے گا،

اس مدت مین چاند زمین سے اور زیادہ قریب ہوتا جائیگا اور سنہ ۲۵[illegible] مین اتنی قربت ہوجائیگی اور کرۂ ارض اور کرۂ قمر مین اتنا کم فاصلہ رہ جائیگا کہ چند بلین برس کے بعد دونون کا تصادم یقینی ہوجائیگا اور انسان کو اس کا پورا یقین ہوجائیگا کہ ایک دن یہ دونون ٹکرا کر تباہ ہوجائین گے، اور کرۂ ارض سے انسانی ہستی ناپید ہوجائیگی، اس خطرہ سے بچاؤ کے لئے وہ پھر زمین سے بھاگ کر کسی دوسرے کوکب مین بسنے کی تدبیرین کریگا، اس مرتبہ اس کی نظرِ انتخاب مریخ کے بجائے "زہرہ" پر پڑیگی، چنانچہ زہرہ مین مسکن تلاش کرنے کے لئے انسانون کی متعدد مہمین روانہ ہون گی، لیکن وہان تک کوئی نہ پہونچ سکیگی اور سب راستہ ہی مین ہلاک ہوجائین گی، مگر اس سے انسان کا حوصلہ پست نہ ہوگا، اور مہمون کا سلسلہ برابر جاری رہیگا، اور لاکھون برس کی پیہم کوشش کے بعد بالآخر ایک مہم زہرہ تک پہونچ جائیگی لیکن اس مہم مین بھی بہت سے انسان ہلاک ہوجائین گے، جو زندہ بچین گے وہ اشارون کے ذریعہ سے اپنے ارضی ابنائے جنس کو یہ پیام یاس بھیجین گے، کہ زہرہ مین آکسیجن کی کمی اور سردی کی شدت کی وجہ سے زندہ رہنا ناممکن ہے، الا یہ کہ انسان ان دونون باتون کو انگیز کرلین،

اس پیام کے آخری ٹکڑے سے کرۂ ارض کے انسانون کو آبادی کی کچھ امید بندھیگی، چنانچہ جو لوگ نشوو ارتقا کے قوانین اور اس کے عمل کے طریقون سے واقف ہین وہ زہرہ کو وطن بنانے کا فیصلہ کرین گے، اور ایک انسانی گروہ اس مین زندگی بسر کرنے کے لئے تجربے شروع کریگا، اس تجربہ مین خاطر خواہ کامیابی ہوگی، اس کامیابی کو دس ہزار برس بھی نہ گذرنے پائین گے کہ زہرہ کے سفر کے لئے کرۂ ارض سے بے شمار مہمین روانہ ہونے لگین گی، لیکن ان بے شمار مہمون مین صرف چند مہمین وہان تک پہونچنے مین کامیاب ہون گی، باقی سب ہلاک ہوجائین گی، جو مہمین منزلِ مقصود پر پہونچ کر خشکی پر اتر جائینگی ان پر یہ الم انگیز راز منکشف ہوگا، کہ ان کے تمام پیشرو یہان آنے کے بعد ہلاک ہوگئے، لیکن اب واپسی کی کوئی صورت نہ ہوگی، اس لئے ناچار مقیم ہوجائین گے،

ان کے قیام کے بعد زہرہ مین ایک جدید نسل کا آغاز ہو گا، کیونکہ یہ لوگ زہرہ کے طبعی اقتضا اور قانون عمل کے تحت مین نشو ونما پا کر چند قرنون کے بعد اپنی شکل وصورت اور جسمانی اور عقلی قویٰ کے لحاظ سے ایسے عجیب الخلقت ہو جائین گے کہ ان مین اور ارضی انسانون مین کوئی مشابہت باقی نہ رہیگی اور دونون کی جسمانی ساخت مین اتنا شدید اختلاف ہو جائیگا کہ دونون کے درمیان نہ ازدواجی تعلقات قائم ہو سکین گے اور نہ توالد وتناسل کا سلسلہ جاری ہو سکے گا،

ادھر زہرہ مین یہ عمل جاری ہو رہا ہو گا، دوسری طرف کرۂ ارض کے انسان زمین سے بھاگنے کی تدبیرین کرتے رہین گے، اور اپنی مسلسل کوششون سے بہت سے انسان زہرہ مین آجائینگے، اس دوران مین چاند کرۂ ارض سے اور زیادہ قریب ہوتا جائیگا، اور جس قدر اس کی قربت بڑھتی جائیگی اسیقدر اس کی رفتار مین سرعت بڑھتی جائے گی، کیونکہ زمین کی قوت جاذبہ کا عمل تیز ہو جائے گا، ان دونون کی قربت سے وہ ہولناک اور نازک ساعت قریب آجائے گی، جو کرۂ ارض کو تہ وبالا کر ڈالے گی، اس وقت کرۂ ارض کے بسنے والے نہایت خوف وہراس کے عالم مین اس دردناک ساعت موعود کا انتظار کرین گے،

پھر رفتہ رفتہ سنہ ۳...... مین کرۂ قمر کرۂ ارض سے اتنا قریب ہو جائیگا کہ دونون کا موجودہ فاصلہ گذشتہ فاصلہ کے مقابلہ مین کل ½ رہجائیگا، اس قربت کی وجہ سے زمین کی کشش اتنی قوی، اور اسکا اثر کرۂ قمر پر اتنا شدید ہو گا کہ باہمی کشاکش سے چاند کی سطح مین غار پیدا ہو جائیگا، اور اس مین متعدد شگاف دکھائی دینے لگین گے، اور دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہو گا کہ چاند کا بہت بڑا ٹکڑہ اس سے جدا ہو کر زمین کی قوت جاذبہ کے زور سے کرۂ ارض پر کھنچا چلا آرہا ہے،

یہ حالت بھی عرصہ دراز تک قائم رہیگی اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ چاند کی قربت برابر بڑھتی جائیگی، اور ایک زمانہ ایسا آجائیگا کہ کرۂ قمر زمین سے اتنا قریب ہو جائیگا کہ اس کا گردی دور باشندگان ارض

اور آسمان کے درمیان حائل ہو جائیگا، اور دیکھنے والون کو آسمان کا بہت کم حصہ نظر آئیگا، اور شہاب ثاقب اس کثرت سے ٹوٹنے لگین گے کہ فضا مین سنہرے تارون کا جال تنا معلوم ہو گا اور یہ سب منتقل افلاک مین حرکت کرنے لگین گے، اس ہولناک منظر سے انسانون کے دل دہل جائین گے، یہ حالت ایکہزار سال تک قایم رہیگی، جو بدبخت جان انسان اس ہولناک منظر سے بچ جائین گے انھین اس سے بھی زیادہ قیامت خیز تباہی کا سامنا کرنا پڑیگا،

سب سے زیادہ ہولناک اور تباہ کن حادثہ جس کو ہم علمی زبان مین کرۂ ارض اور کرۂ قمر کے تصادم سے تعبیر کرین یا مذہب کی مقدس زبان مین قیامت کہین اپنی نوعیت مین ایسا عجیب وغریب اور جانکاہ ہو گا کہ تاریخ عالم مین اس کی مثال نہ مل سکیگی، زہرہ کی نئی نسل بھی اس حادثہ سے باخبر ہو گی، اور نہایت خوف وہراس کے ساتھ اس کا انتظار کریگی، کرۂ ارض کے باشندے اشارون کے ذریعہ سے ان سے مدد مانگین گے، لیکن یہ وہ نازک وقت ہو گا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس تباہی سے نہ بچا سکیگی، اس عرصہ مین کرۂ قمر کرۂ ارض سے مل جائیگا، اور دونون کی سطحین ایک دوسرے کے بالمقابل ہو جائینگی، اور چاند کے بڑے بڑے غارون اور دہانون سے ہیبتناک شعلے اور گھلا ہوا مادہ نکلنا شروع ہو گا، اور ساری فضا کثیف دھوئین سے معمور ہو جائیگی، یہ دھوان عارضی طور پر کرۂ ارض کو چاند کی شعلہ باری سے بچا لیگا، لیکن پھر تھوڑے ہی دنون کے بعد شعلون کی لپٹین اور آگ کی موجین پرشور سیلاب کی طرح کرۂ ارض کی طرف بڑھینگی اور دو چار دن کے اندر اندر پورا کرۂ قمر گرم توے کی طرح دہک اٹھیگا، اور اسی گرم غبار کی بارش ہونے لگیگی، اس وقت زمین پر بسنے والے انسان اس بلائے آسمانی سے بچنے کے لئے غارون اور تہ خانون مین پناہ لین گے، اور پوری انسانی آبادی مین صرف قطب جنوبی کے باشندے کچھ دنون کے لئے اس مصیبت سے بچے رہین گے،

کچھ عرصہ تک مذکورہ بالا حالت قایم رہیگی، پھر اس سے بھی زیادہ مہلک دور کا آغاز ہوگا

اور کرۂ قمر دفعۃً پھٹ جائیگا، اس تراقے سے کرۂ قمر کے بڑے بڑے پہاڑ ٹوٹ کر فضای ارض مین آجائین گے، اور ایک پہاڑ کرۂ ارض پر گر پڑیگا، اس کے گرتے ہی نہایت کثیف دھوان اٹھیگا، اس سے ساری فضا بھر جائیگی، اور پگھلے ہوئے مادہ کی اتنی بارش ہوگی کہ زمین گرم اور سیال مادہ کے سیلاب سے ڈھک جائیگی، اور اس کی ساری مخلوق اس کے نیچے دفن ہو جائیگی، پھر زمین پر بارش کے بعد جو مادہ بچے گا وہ اوقیانوس اعظم کا رخ کریگا، اور اس بحر بیکران کو آتشین سمندر بنا دیگا، اس طرح بری و بحری دونون مخلوق اس دھکتے ہوئے مادہ سے جلکر تباہ و برباد ہو جائیگی، کیا مذہب نے قیامت کی اس سے زیادہ مہیب تصویر کھینچی ہے؟ قرآن بھی تو یہی کہتا ہے،

"جب آفتاب لپیٹ لیا جائے، جب تارے جھڑ پڑین، جب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جائین، جب اونٹنیان لگی لگ چھرین جب وحشی جانور خوف سے ایک جگہ جمع ہو جائین، جب دریا پاٹ دے جائین جب روحون کو ملایا جائے، جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے کہ کس قصور مین ماری گئی، جب انسانون کے نامۂ اعمال کھولے جائین، جب آسمان کی کھال کھینچ لیجائے، جب دوزخ دھکائی جائے، جب بہشت قریب لائی جائے، اس وقت انسان کو معلوم ہوگا کہ وہ کیا ساتھ لایا ہے الخ (سورہ تکویر)

یا

جب آسمان پھٹ جائے، جب ستارے بکھر جائین، جب دریاؤن کو دوسری طرف بہا دیا جائے، جب قبرین اکھاڑ دیجائین اس وقت ہر شخص کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیسے اعمال کئے ہین اور کیسے آثار چھوڑے ہین، الخ (سورہ انفطار)

قرآن کے اس نقشۂ قیامت اور سائنس کی اوپر کی تصویر مین کیا فرق ہے؟ پھر کیون مذہب کی بتائی ہوئی قیامت قابلِ مضحکہ ہے، اور سائنس کی بتائی ہوئی باتین قابلِ قبول!

(الہلال) "م"

آثار علمیۃ ادبیۃ

مکتوبات محمد علی

مکتوب چہارم

بنام سید سلیمان ندوی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر مکرم و محترم، السلام علیکم

۸ اکتوبر کا برادر عزیز مسعود کا محبت نامہ اور ۹ اکتوبر کا آپکا والانامہ عرصہ ہوا کہ ملے تھے، سیرۃ جلد دوم کے پروف بھی مل گئے تھے، جواب کے لئے موقع ڈھونڈھ رہا تھا، بیوی بچے چھندواڑہ مین ساتھ تھے تو خطوط لکھنے کی کوئی قید نہ تھی، اب ایک قید تو یہ کہ وہ یہان نہ رہین اور مکتوب سے نصف ملاقات کا کام لیا جائے پھر اس پر طرہ یہ کہ ہفتہ مین دو خط سے زیادہ نہ ہونے پائین چھندواڑہ مین جب یہ قید نہ تھی تو محض سنسر کے بلاضرورت توسط کے باعث ہفتہ مین دو خط درکنار بعض اوقات مہینہ مین بھی دو خط کی نوبت نہ پہونچی تھی، مگر اب برابر ہر ہفتہ دو خط لکھتا ہون، اور پھر بھی یہ مقدار ناکافی معلوم ہوتی ہی اب اگر احباب کو شکایت ہو تو مجھ سے دست و گریبان نہ ہون، میرے بیوی بچون سے مباحثہ و مجادلہ و مباہلہ کیا جائے، اگر کسی ہفتہ مین صرف ایک خط جاتا ہے تو خواہ مخواہ پریشان ہونے لگتی ہین، کہ کہین علالت کے باعث تو دو خطون مین کمی نہین ہوئی، بھائی کو اجازت ہے (اور مجھے بھی) کہ بزنس کے متعلق زیادہ خطوط لکھ سکتے ہین، چنانچہ وہ ہر ہفتہ ایک دو خط رام پور کو بھی کارخانہ کے متعلق لکھ دیتے ہین جس سے رفع تردد ہو جایا کرتا ہی، اس کے علاوہ ایک خط عزیزی زاہد علی کو علی گڈھ چلا جاتا ہی، اور دوسرا خط ہفتہ کا کسی کسی

دوستکے نام چلا جاتا یا پھر بچون کو لکھ دیتے ہین، حال مین مجھ پر گھر کا تقاضا اور بھی زیادہ رہا، ایک تو یہ کہ والدہ کی علالت سخت کے باعث اُن کے حکم کے مطابق رام پور جاکر ان کے علاج و تیمارداری کرنے کی درخواست دی تھی، ابتدائے اکتوبر سے آج تک منظوری کا انتظار ہے، اور چونکہ اب تک جواب تک سے سرفراز نہین فرمائے گئے ہین، اس لئے لا یموت فیہا و لا یحییٰ کا سب لطف اٹھا رہے ہین، ہم گھر والون سے پوچھتے ہین کہ ۷ ر اکتوبر کو والدہ کی طرف سے سرکار نے تار دیا تھا (حسب تجویز لوکل گورنمنٹ ممالک متوسط) اور پھر ۱۲ ر اکتوبر کے بعد ڈاکٹری سرٹفکیٹ مانگا گیا تھا، اس کے اسی دن روانہ کئے جانے پر کیا جواب ملا، وہ لوگ ہم سے پوچھتے ہین، کہ تمھین کوئی اطلاع ملی یا نہین، (چیف کمشنر ۳ ر کو آئے تھے، ۲ ر کو رہکر ۵ ر کو چھندواڑہ ہوتے ہوئے ناگپور گئے) چیف کمشنر سے ملاقات ہوئی یا نہین، انھون نے کیا کہا، وغیرہ وغیرہ، دوسرے حجام کی حماقت اور اس سے زیادہ میری کاہلی کے باعث وہی انگوٹھا پھر پک گیا تھا، جسے اگست ۱۹۱۴ء مین دوبارہ شگاف دینا پڑا تھا، اور جس نے دو ڈھائی مہینہ صاحب فراش رکھا تھا، (یہ ذیابیطس کی عنایت تھی) اس کی اطلاع گھر والون کو ہو گئی، ہر خط مین تقاضا آنے لگا کہ لکھو اب کیسے ہو، حالانکہ اس کی اطلاع احتیاطاً اسی وقت دی تھی جب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہا تھا، بلکہ انگوٹھا اچھا بھی ہو چکا تھا، اب افسوس کرنے سے کیا حاصل کہ یہ بھی حماقت ہی تھی کہ اطلاع دی، اُس وقت خیال تھا کہ شاید معظم صاحب (میرے سالے) نے گھر جا کر نہ کہدیا ہو یا میرے بھانجے عثمان نے جو پونہ کے انجنیرنگ کالج مین پڑھتے ہین اور یہان ہوکر تعطیل مین وطن گئے تھے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اطمینان دلا دیا جائے، کہ اب اچھا ہون، اب جاکر معلوم ہوا کہ ان دونون نے میرے کہنے کا لحاظ کر کے کسی کو مطلق اطلاع نہ دی تھی، اب لگین مجھ سے شکایتین ہونے کہ واہ اس قدر انگوٹھا پکا اور ہمین خبر تک نہ کی ہم پر تو تقاضا ہے کہ کسی کا سر بھی دکھے تو بے خبر نہ رکھنا (حالانکہ مین سخت نادم ہون کہ یہ اصرار کیون کیا گیا، سچ مچ سارا گھر دو تین بار بیمار پڑا اور مین سوائے متردد ہونے کے کچھ نہ کرسکا، ع "قہر درویش بجان درویش" صبر و شکر کیا) اب ضرور لکھو کہ کیسے ہو،

نتیجہ اس سب کا یہ تھا کہ وہ لوگ بیمار تھے اور مین بھلا چنگا، مگر خط پر خط آرہے تھے کہ ہماری فکر نہ کرو، اور اپنا حال نہ چھپاؤ، حقیقۃً یہ باعث تھا اس وقت تک خط نہ لکھنے کا، مگر اس ہفتہ کا ایک خط آپ کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا، کہ اسی اثنا مین دوسرا والانامہ اور نواب علی صاحب کی کتاب دونون ملے، مین نے احتیاطاً کتاب کو بھی دو تین دن مین ختم کر لیا، اور اب کہ اس ہفتہ کا آخر دن ہو جواب دیرہا ہون، اس لمبی چوڑی معذرت کو قبول فرمائیے، اور اس کا یقین دلانے کے لئے کہ واقعی معذرت قبول ہوئی گاہے ماہے لکھتے رہا کیجئے، اور مسعود صاحب کو بھی تاکید کر دیجئے کہ جب آپکو فرصت نہ ہو وہ فرصت نکال کر ضرور لکھدیا کرین، (اور اس کے علاوہ بھی) مین آپ حضرات سے سلسلہ جاری رکھنا بھی ایک خاص وجہ سے چاہتا ہون، علاوہ حصولِ فیض کے جو ظاہر ہے ایک راز کو بھی عیان کرنا چاہتا ہون، وہ یہ کہ حضرات علمائے کرام کو جو بھولنے کا موقع نہ ملے کہ ہم جہلا کا بھی ان پر حق ہے، اور اسلام یہی نہین ہے کہ عالم ہو گئے (خواہ بےعمل ہو یا باعمل) بلکہ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ بھی نسخہ نجات کے اجزا ضروری ہین، معظم صاحب نے جو کچھ آپ کے متعلق اس مرتبہ کہا اس سے اور بھی امید ہو گئی کہ آپ ہم جاہلون کے حقوق سے بے اعتنائی نہ فرمائین گے، کہئے امسال کدھر کا قصد ہے، ناگپور کے بعد بلگام کی باری تھی بہر حال آپ کہین بھی جائیے ہمارے حقوق سے لاپروائی نہ برتئے، آپ فرماتے ہین کہ "دل نہین چاہتا کہ مولانائے فرنگی محلی سے بدظن ہون" یقین کیجئے کہ آپ کا دل جس چیز کو نہین چاہتا وہ درحقیقت اچھی بھی نہین ہے، اور یہ ان چیزون مین شامل نہین ہے جسکی شان مین آیا ہے کہ عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ، آپ فرماتے ہین، مگر مین کیا کرون ؎

اگر یک سرِ موے برتر پرم　　فروغِ تجلّی بسوزد پرم،

اس لئے آیت مطلق!"

جہان تک ہم دو بھائیون کو تجربہ ہوا ہے (اور یقین کیجئے کہ کم از کم مین تو بہت گستاخ ہون، اور

دوست کے نام چلا جاتا یا پھر بچون کو لکھ دیتے ہین، حال مین مجھ پر گھر کا تقاضا اور بھی زیادہ رہا، ایک تو یہ کہ والدہ کی علالت سخت کے باعث اُن کے حکم کے مطابق رام پور جاکر ان کے علاج و تیمار داری کرنے کی درخواست دی تھی، ابتداے اکتوبر سے آج تک منظوری کا انتظار ہے، اور چونکہ اب تک جواب تک سے سرفراز نہین فرمائے گئے ہین، اس لئے لا یموت فیہا و لا یحییٰ کا سب لطف اٹھا رہے ہین، ہم گھر والون سے پوچھتے ہین کہ ۷ر اکتوبر کو والدہ کی طرف سے سرکار نے تار دیا تھا (حسب تجویز لوکل گورنمنٹ ممالک متوسط) اور پھر ۱۸ر اکتوبر کے بعد ڈاکٹری سرٹفکیٹ مانگا گیا تھا، اس کے اسی دن روانہ کئے جانے پر کیا جواب ملا، وہ لوگ ہم سے پوچھتے ہین، کہ تمھین کوئی اطلاع ملی یا نہین، (چیف کمشنر ۳ر کو آئے تھے ۲ر کو رہکر ۵ر کو چھندواڑہ ہوتے ہوئے ناگپور گئے) چیف کمشنر سے ملاقات ہوئی یا نہین، انھون نے کیا کہا، وغیرہ وغیرہ، دوسرے حجام کی حماقت اور اس سے زیادہ میری کاہلی کے باعث وہی انگوٹھا پھر پک گیا تھا جسے اگست ۱۹۱۴ء مین دوبارہ شگاف دینا پڑا تھا، اور جس نے دو ڈھائی مہینہ صاحب فراش رکھا تھا، (یہ ذیابیطس کی عنایت تھی) اس کی اطلاع گھر والون کو ہوگئی، ہر خط مین تقاضا آنے لگا کہ لکھو اب کیسے ہو، حالانکہ اس کی اطلاع احتیاطاً اسی وقت دی تھی جب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہا تھا، بلکہ انگوٹھا اچھا بھی ہو چکا تھا، اب افسوس کرنے سے کیا حاصل کہ یہ بھی حماقت ہی تھی کہ اطلاع دی، اُس وقت خیال تھا کہ شاید معظم صاحب (میرے سالے) نے گھر جاکر نہ کہدیا ہو یا میرے بھانجے عثمان نے جو پونہ کے انجینیرنگ کالج مین پڑھتے ہین اور یہان ہو کر تعطیل مین وطن گئے تھے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اطمینان دلا دیا جائے، کہ اب اچھا ہون، اب جاکر معلوم ہوا کہ ان دونون نے میرے کہنے کا لحاظ کرکے کسی کو مطلق اطلاع نہ دی تھی، اب لکھین مجھ سے شکایتین ہونے کہ واہ اس قدر انگوٹھا پکا اور ہمین خبر تک نہ کی ہم پر تو تقاضا ہے کہ کسی کا سر بھی دکھے تو بے خبر نہ رکھو (حالانکہ مین سخت نادم ہون کہ یہ اصرار کیون کیا گیا، سچ مچ سارا گھر دو تین بار بیمار پڑا اور مین سواے متردد ہونے کے کچھ نہ کرسکا، ع "قہرِ درویش بجانِ درویش"، صبر و شکر کیا) اب ضرور لکھو کہ کیسے ہو،

نتیجہ اس سب کا یہ تھا کہ وہ لوگ بیمار تھے اور مین بھلا چنگا، مگر خط پر خط آرہے تھے کہ ہماری فکر نہ کرو، اور اپنا حال نہ چھپاؤ، حقیقۃً یہ باعث تھا اس وقت تک خط نہ لکھنے کا، مگر اس ہفتہ کا ایک خط آپ کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا، کہ اسی اثنا مین دوسرا ادالانامہ اور نواب علی صاحب کی کتاب دونون ملے، مین نے احتیاطاً کتاب کو بھی دو تین دن مین ختم کر لیا، اور اب کہ اس ہفتہ کا آخر دن ہو، جواب دیرہا ہون، اس لمبی چوڑی معذرت کو قبول فرمائیے، اور اس کا یقین دلانے کے لئے کہ واقعی معذرت قبول ہوئی گاہے ماہے لکھتے رہا کیجئے، اور مسعود صاحب کو بھی تاکید کر دیجئے کہ جب آپکو فرصت نہ ہو وہ فرصت نکال کر ضرور لکھدیا کرین، (اور اس کے علاوہ بھی) مین آپ حضرات سے سلسلہ جاری رکھنا بھی ایک خاص وجہ سے چاہتا ہون، علاوہ حصولِ فیض کے جو ظاہر ہے ایک راز کو بھی عیان کرنا چاہتا ہون، وہ یہ کہ حضرات علماے کرام کو بھولنے کا موقع نہ ملے کہ ہم جُہلا کا بھی ان پر حق ہے، اور اسلام یہی نہین ہے کہ عالم ہو گئے (خواہ بے عمل ہو یا باعمل) بلکہ تَوَاصَوا بِالحَقِّ وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ بھی نسخۂ نجات کے اجزا ضروری ہین معظم صاحب نے جو کچھ آپ کے متعلق اس مرتبہ کہا اس سے اور بھی امید ہو گئی کہ آپ ہم جاہلون کے حقوق سے بے اعتنائی نہ فرمائین گے، کہئے امسال کدھر کا قصد ہے، ناگپور کے بعد بلگام کی باری تھی بہرحال آپ کہین بھی جائیے ہمارے حقوق سے لاپروائی نہ برتئے، آپ فرماتے ہین کہ "دل نہین چاہتا کہ مولانا فرنگی محلی سے بدظن ہون" یقین کیجئے کہ آپ کا دل جس چیز کو نہین چاہتا وہ درحقیقت اچھی بھی نہین ہے، اور یہ ان چیزون مین شامل نہین ہے، جسکی شان مین آیا ہے کہ عَسٰی اَن تَکرَهُوا شَیئًا وَّهُوَ خَیرٌ لَّکُم، آپ فرماتے ہین، مگر مین کیا کرون ؎

اگر یک سرِ موے برتر پرم　　فروغِ تجلّی بسوزد پرم،

اس لئے آیت مطلق!"

جہان تک ہم دو بھائیون کو تجربہ ہوا ہے (اور یقین کیجئے کہ کم از کم مین تو بہت گستاخ ہون، اور

فروغ تجلی کو اپنے "ہوابازی" مین مانع نہین پاتا، مولانائے موصوف مین جہان لاکھون خوبیان ہین اور لاکھ خوبیون کی ایک خوبی جام صہبائے محبتِ رسولؐ و امتِ رسولؐ سے سرشار ہونا ہی، وہان ایک سخت دلخراش خوبی یہ ہے کہ اپنی رائے پر کافی اصرار نہین فرماتے اور دوسرون کی دل آزاری کے خیال سے ان کی رائے جلد قبول کر لیتے ہین، آپ کو تو شاید پہلی ہی بار اتفاق ہوا ہو، مگر ہم دونون کو متعدد بار اتفاق ہوا ہی اور گو نتیجہ تکلیف دہ ثابت ہوا، مگر خود مولانا کے متعلق غلط فہمی پیدا نہین ہوئی، آپ سمجھتے ہون گے کہ ہم نے بھی اکثر "آمیتِ مطلق" ہی سے کام لیا، مگر ایسا نہین ہوا، میری گستاخیان تو شہرۂ آفاق ہین، اگر اواخر مئی کا میرا آخری خط کہین آپکو دیکھنے کو مل جائے، تو آپ کو کامل یقین ہو جائیگا کہ جب سے ہمکو معلوم ہوا کہ مولانا دوسرون کی دل آزاری کے خیال سے انکی رائے قبول فرما لیتے ہین، تو ہم نے بھی اپنی دل آزاری کی روداد تیار کرکے روانہ کرنا شروع کی اور اپنے رائے کی طرف مائل کر لیا، مگر ضرورت اسکی ہے کہ ع

مقدور ہو تو ساتھ رکھون نوحہ گر کو مین

اسی باعث بھائی کا ارادہ ہے کہ جہان تک ممکن ہو قیام مولانا ہی کے پاس کیا جائے، درد خلوص اور علوے حوصلہ سب کچھ موجود ہے اور بقدرِ وافر، مگر دین اور دنیا کو ہمارے علما نے اسقدر علٰحدہ کر دیا اور ایک دوسرے سے دور پھینک دیا کہ اب جب دنیا نے دین مین بھی دست اندازی شروع کی تو بنہایت مجبوری ان حضرات نے دنیا کی طرف دیکھا اور اس مین قدم رکھنا شروع کیا، مگر تجربہ کہان سے لائین، اور خود اعتمادی تجربہ ہی کے بعد آتی ہی، جو کچھ ہے یہی بسا غنیمت ہے، اور جگہ تو تجربہ ہی نہین، بلکہ درد و خلوص بھی ناپید ہے خدا کرے کہ کھوئی ہوئی دولت دین اور دنیا دونون کی پھر میسر ہو، اس وقت تو نہ ایک کی کچھ بھیک ہی نہ دوسرے کی

سیرۃ کے متعلق بہت کچھ کہنا اور اس سے زیادہ سننا ہی یہی وجہ تھی کہ جنوری مین مین نے آپکو تکلیف دینا چاہی، اب دیکھئے کب ملاقات ہو، سب سے بڑی ضرورت سیرۃ کے مکمل ڈھانچے کی ہے، اس کے لئے دیباچہ پھر مطالعہ کیا، بہت کچھ تسکین ہوئی مگر کلیۃً نہین ہوئی، تاہم خیال ہے کہ دوسری جلد مکمل ہو جائے

تو غالبًا تسکین ہو جائے، پہلی جلد مین علاوہ چند مخصوص مباحث کے جنکا تعلق محض واقعات سے نہین ہے بلکہ نفسِ اسلام سے ہے، آنحضورؐ کے واقعاتِ زندگی کے متعلق صفحات کی کمی محسوس ہوئی، ممکن ہو کہ وہ تفصیلات جو اور سیرتون مین مذکور ہین غیر مستند ہونے کے باعث چھوڑ دی گئی ہون، اور واقدی کی تفصیلات کے متعلق جو کچھ پہلے ہی لکھ دیا گیا ہی، اس سے قیاس ہوتا ہی کہ زیادہ تر یہ رطب و یابس انھین حضرت کے ذریعہ سے مشہور ہوئی ہونگی، اور اسی لئے ترک کر دی گئین، مگر نامناسب نہ ہوتا اگر فٹ نوٹون مین یہ تفصیلات دیکر ان کے غیر مستند ہونے کا ذکر کر دیا جاتا، اور جو صاف طور پر موضوع اور جھوٹی روایتین تھین انکا پردہ فاش کر دیا جاتا، تاکہ عوام کو حق و باطل مین تمیز کرنے کا موقع ملتا، میرا تعلق اس امر سے خاص ہی اور وہ بطور "مولود خوان" ہونے کے، میرا ایمان ہی کہ معجزات پر خدائے قادر کو ضرور قدرت ہے، اور اس کے سب سے بزرگ نبی سے اگر کسی معجزہ کا ظہور ہوا ہو تو کیا عجب ہی، مگر اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے کھلا ہوا معجزہ قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ ہی جس کی جانچ پرتال ہر زمانہ مین ہو سکتی ہی اور ہوتی رہی ہی، اس کے سوا اسلام کا انحصار کسی معجزہ پر نہین ہی، اس لئے "مولود خوانون" کی طرح مجھے "نور" کے ذکر اور معراج کے "عجائبات" سے زیادہ سروکار نہین، مگر سوانح و وقائع سے ضرور تعلق ہی، اور جتنے واقعات سیرۃ مین مذکور ہین انکی سند ہاتھ آنا ہی کافی نہین ہی، بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ جو متروک ہین ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے، اگر فٹ نوٹ اس کے لئے موزون نہ ہو تو ایک باب علٰحدہ ہونا چاہئے، یا ایک ضمیمہ یا انڈکس مین یہ صراحت و وضاحت کیجائے، ضرورت اس کی بھی ہے کہ ایک مختصر مگر جامع کتاب اسی سیرت سے تیار کیجائے جسمین بحث مطلق نہ کیجائے اور صرف مستند وقائع مذکور ہون تاکہ عوام خود بآسانی پڑھ سکین، اور نور نامون وغیرہ سے نجات ملے، اگر نظم ہی کی ضرورت ہی، تو پھر کوئی صاحب انھین مستند روایات کو نظم کا جامہ بھی پہنا دین، آپ مجھے میرے اس وعدہ کو یاد دلاتے ہین کہ "جب چھوٹو نگار روضۂ استاد کے پھولون کی خوشبو سے روح و دماغ کو معطر کرونگا، اور بزم سخن مین بھی شریک ہونگا، اجی حضرت ابھی ان ارادون

کا اظہار ہی کہاں کیا ہی، جو دل ہی دل مین پختہ ہو رہے ہین، ابھی تو سیرت کے انگریزی (بلکہ یورپی) قالب کے
متعلق کچھ اظہارِ خیال ہی نہین کیا ہو، اور اس خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ خوف ہو کہین دنیا کی مکروہات
مین پھنسکر اس بڑے فرض کی انجام دہی سے قاصر رہون، اور موت کتابِ حیات کا آخری باب لکھکر
"تمت تمام شد" کا فقرہ چسپت نہ کرے، مگر اب یہ بات دل سے نوکِ قلم تک آئی ہے تو سن لیجیے کہ سیرت کے
پروف منگانا اور بار بار ملاقات کا تقاضا اور باقی حصون کی ترتیب و طبع کے متعلق استفسارات یہ سب
اسی "نیتِ شب بخیر" کا صدقہ ہین،

بیگم صاحبہ بھوپال کا قرضدار اور چور ہون کہ اس نظر بندی کی "فرصت" مین بھی باوجود زرِ نقد پہلے
ہی وصول کرنے کے ان کی دو کتابون کا ترجمہ ختم نہ کیا، اور جو کچھ بھی ہوا وہ مرحوم غلام حسین کے طفیل، مگر
بھائی یہ "فرصت" اور وہ کتابین ایمل بے جوڑ تھین بہت طبیعت پر زور ڈالا اور بار بار مگر ایک طرف تو بیگم صاحبہ کی یہ کتابین
تھین جنمین ایک نیک سیرت خاتون اور قابل حکمران کی روزانہ زندگی کا حال تھا اور ادھر دنیا کے عجیب و غریب واقعات و سوانح
تھے جنکی اہمیت و ندرت مین عجیب دلکشی بھی بھر گیا تھا سوا ان واقعات اور ان کے نتائج کے متعلق فکر ہائے گوناگون
کے ہر چیز بے مزہ اور پھیکی سیٹھی معلوم ہوتی تھی، مگر سیرۃ اور شے ہے، البتہ یہ "فرصتِ قید" سے زیادہ فرصت
مانگتی ہو، اور قید سے چھٹکر اگر اتباعِ سنتِ رسول ؐ نے فرصت دی تو انشاء اللہ پہلا کام یہ ہوگا کہ یورپ
کو اس اسوۂ حسنہ کی زیارت کرائی جائے،

اے سوارِ اشہبِ دوران بیا   اے فروغِ دیدۂ امکان بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو   در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن   نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
خیز و قانونِ اخوت ساز دہ   جامِ صہبائے محبت باز دہ
باز در عالم بیار ایامِ صلح   جنگجویان را بدہ پیغامِ صلح

نوعِ انسان مزرع و تو حاصلی   کاروانِ زندگی را منزلی

مگر ابھی اس کی آرزو بھی قبل از وقت معلوم ہوتی ہو، ابھی اپنی ہی اصلاح نہین ہو سکی، دوسرون
کی ابھی نوبت کہان ہے، ابھی تو خود اتباعِ سنتِ رسول ؐ کی ضرورت ہے،

اے چو جان اندر وجودِ عالمی   جانِ ما باشی و از ما می رہی
نغمہ از فیضِ تو در عودِ حیات   موت در راہِ تو محسودِ حیات
باز تسکینِ دلِ ناشاد شو،   باز اندر سینہ ہا آباد شو،
باز از ما خواہ ننگ و نام را   پختہ تر کن عاشقانِ خام را
از مقدر شکوہ ہا داریم ما   نرخِ تو بالا و نادارِ یم ما
از تہیدستان رخِ زیبا مپوش   عشقِ سلمان ؓ و بلال ؓ ارزان فروش
چشمِ بے خواب و دلِ بیتاب دہ   باز ما را فطرتِ سیماب دہ،
ما پریشان چون ہجومِ اختریم   ہمدم و بیگانہ از یک دیگریم
باز این اوراق را شیرازہ کن   باز آئینِ محبت تازہ کن،
رہروان را منزلِ تسلیم بخش   قوتِ ایمانِ ابراہیم ؑ بخش،
عشق را از شغلِ لا آگاہ کن   آشنائے رمزِ الا اللہ کن،

اب رخصت ہوتا ہون، یہان کے سپرنٹنڈنٹ جیل ایک آئرش مین اور کیتھولک ہین،
تاہم انھون نے ریشنلسٹ سوسائٹی کی ایک مطبوعہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب
ہونے کے بعد زندہ ہونے کے خلاف پڑھنے کو دی ہو، وہ پڑھ ہی رہا تھا کہ نواب علی صاحب کی
کتاب ملی، عرصہ سے اس قسم کی کتاب کا منتظر اور طلبگار تھا، مگر یہ بظاہر نقشِ اول ہے نواب علی
صاحب کو خود بھی انشاء اللہ جلد لکھونگا، مگر آپ لکھین تو ضرور میری طرف سے شکریہ ادا کر دین،

اور لکھدین کہ گو ایک مستقل کتاب عہد عتیق اور عہد جدید کے متعلق یا ہر دو کے متعلق علٰحدہ علٰحدہ دو کتابین انھین مرتب کرنا پڑینگی، تاہم یہ نقش اول بھی بیحد مفید ہے، اور تدوین قرآن پاک کے متعلق ابھی ایک اور کتاب لکھنا پڑیگی اور ساتھ ہی ساتھ قرآن تو قرآن رسول پاکؐ کی احادیث کے متعلق جو احتیاط برتی گئی ہے اسکا مقابلہ عہد عتیق اور جدید کی ترتیب و ترجمہ کی بے احتیاطی سے اور بھی واضح طور پر کرنا ہوگا، خدا ان کی کوشش اور محنت کو بار آور فرمائے، ع

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

تذکرۃ المصطفیٰ سے اس کتاب مین زیادہ دقتِ نظر نظر آتی ہی، اور اب خوب مجھ گئے ہین معارج الدین بھی ابتک میری نظر سے نہین گذری، وہ بھی منگوا دیجئے، مگر صحف سماوی مین مین نے ایک بات محسوس کی یعنی پیدائش حضرت عیسیٰؑ اور وفات حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انھون نے قرآنی بیان کو واضح نہین کیا ہی، غالباً انکا عقیدہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے فرزند تھے، مگر اس قرآنی بیان کے متعلق کیا کہتے ہین جو سورہ آل عمران اور سورۂ مریم مین مذکور ہے، وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے متعلق بھی کوئی صاف بیان نہین دیا، اس کے متعلق آپ معارف مین کچھ کیون نہین تحریر فرماتے،

مسعود صاحب کو علٰحدہ خط لکھونگا، مگر ان سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ صحابۂ کرامؓ کے متعلق ایک تالیف تیار ہے، پھر طباعت مین کیون دیر ہی؟ بھائی یہ تعویق تو ہم لوگون پر جبر ہے، کیا ایسی کتابون کے بکنے مین وقت پیش آتی ہی؟ واللہ ارض القرآن جیسی کتاب کے لئے تو ہر تعلیمیافتہ مسلمان کو جس کی آمدنی سو روپیہ ماہوار کی ہو، کم از کم عـہ دینا ضروری ہی، اور سیرۃ کے لئے تو ہر شخص کو ایک ماہ کی آمدنی دینا لازمی ہی، ہم لاکھ نادار سہی مگر اتنے نادار بھی نہین ہین کہ سال مین عـہ، عـہ روپیہ ایسی کتابون کی خریداری کے لئے نہ نکال سکین، نواب علی صاحب کے جواب کے متعلق عرض ہو کہ یہ ناممکن ہے کہ تم بھول جاؤ، مگر راؤ صاحب کیون تعویق کرتے ہین، یہ بت پتھر کے نہین بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت

ہین، مگر اب ٹکا سا جواب درکار ہی، ۱۹۱۲ء سے معاملہ کھٹائی مین پڑا ہوا ہی، رہی رقم اسکے متعلق عرض ہی کہ دیوان بہادر صاحب نے خود سات ہزار پر معاملہ چکانے کی کوشش کی تھی، سات برس کا قرض اب سات برس اور بھی گذر گئے، سود نہ سہی مول ہی سہی،

۱۹۱۳ء کے سفر مین ملاقات ہوئی تھی تو کہا تھا کہ یہ نہ سمجھنا مین تمھارے قرضہ کو بھول گیا، مگر ابھی موقعہ ادائگی کا نہین ہی، اب چھ برس ہوگئے، کوئی کب تک انتظار کرے، اب مین روپیہ سے زیادہ صاف جواب کا طلبگار ہون، اب ڈھیل راؤ صاحب کی ہی، بہرحال اس وقت تو کچھ نہین ہو سکتا، مگر جب وہ نادہندے اس سے صاف صاف تقاضا کیا جائے"

نقیب کی رقابت کو نہ سمجھا، نقیب آنا بند ہوگیا ہی مین سمجھا کہ خود ہی بند ہوگیا، اب بھائی لکھ رہے ہین کہ ہمارے نام جاری کردو، حضرت نقیب رقیب تو جب ہو جب آپ کی حدود مین قدم رکھے، کوچۂ جانان آپ کی مخصوص ملک ہی، اس مین اس گندے قدم کے آنے کا انتظار کیجئے،

دونون کا سب کو سلام اور بالخصوص عزیزی مسعود کو، سیرۃ کے اوراق ارسال فرمایئے، اگر صحابہ کا مسودہ مبیضہ ہوکر آ جائے تو اسی سے تسکین حاصل ہو، میری بھوک بھی بلا کی بھوک ہی، مائدہ اترتا جائے

اچھا اب رخصت، دعاگو اور خیر طلب

محمد علی

مکرر یہ کہ نہ مسٹر کی ضرورت ہی نہ مولوی کی "محمد" سے جسکا نام شروع ہو اسکے لئے کچھ درکار نہین چہ حاجت زیور را

بھائی حفظ بہت مشکل کام ہی، اطمینان و یکسوئی درکار ہی، سو وہ عنقا،

مکرر یہ کہ اگر فرصت دنیوی مکروہات سے ملی تو ارادہ ہی کہ چند ماہ مع اہل و عیال کے خاص اعظم گڈھ ہی مین آکر رہون، مگر شرط ملحوظ خاطر ہے عرفت ربی بفسخ العزائم حضرت علیؓ نے بہت خوب فرمایا ہی کہ مین نے اپنے رب کو اپنے ارادون کے فسخ ہونے سے پہچانا، اب جو خدا کا حکم ہوگا وہی ہوگا،

محمد علی،

اخبار علمیہ

ماہتاب کی ساخت

ماہتاب کی ساخت کے متعلق حال مین جو تحقیقات ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کی سطح جھائین سے بنی ہو، جو ایک آتشفشانی مادہ ہے، اس دریافت سے ہیئت دانون کے خیال کی تصدیق ہوتی ہو، جنکی رائے یہ ہے کہ ماہتاب پر جو شے ہم دیکھتے ہین وہ آتشفشانی حرکت کا نتیجہ ہے، یہ جھایان ایک قسم کا کف ہے، جو کوہ آتشفشان کے منہ سے خارج ہوتا ہو، جب یہ آہستہ آہستہ سرد ہوتا ہو، تو اس کی شکل ایک شیشہ کی طرح ہو جاتی ہو، لیکن جب تیزی سے سرد ہوتا ہو تو جھایان ہو جاتا ہو، نیچے کے حصہ مین ممکن ہے سیاہی رہجاتی ہو، لیکن اوپر کا حصہ برف کی طرح سفید ہوتا ہو، یہی سفید حصہ ماہتاب کی سطح پر پایا جاتا ہو،

تیز رفتاری کی انتہا،

باوجود اس کے کہ مغرب نے ریلون اور موٹرون کی رفتار مین حیرت انگیز ترقی کا ثبوت دیا ہو، اسے اب بھی شکایت ہے کہ ریل گاڑیان اپنے وزن کے باعث تیز تر رفتار کی متحمل نہین ہو سکتین، اس شکایت کو دور کرنے کی غرض سے جرمنی کے ایک سائنس دان پروفیسر وائزنگر (WIESINGER) نے ایلومنیم کی ریل گاڑیان چلانے کا ارادہ کیا ہو، جنکی رفتار (۲۲۳) میل فی گھنٹہ ہو گی، ممکن ہو کہ پروفیسر صاحب اپنی کوشش مین کامیاب ہو جائین، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ برق رفتاری بھی اس بیتابی کو دور کرنے مین کامیاب ہو سکیگی؟ جو یورپ کی فطرت ثانیہ بن گئی ہو،

تمام دنیا کا سفر نو روز مین،

مسٹر وائلے پوسٹ، مشہور امریکی ہوا باز اور ان کے ساتھی مسٹر گاٹی اس ارادہ سے نیویارک سے روانہ ہوئے کہ دس روز مین تمام دنیا کا چکر کرکے واپس آجائین گے، لیکن انکا یہ کمال بالکل بے نظیر ہو، کہ وہ پورے روے زمین کا دورہ کرکے نوین روز نیویارک واپس پہونچ گئے،

جوتے کے روغن کے زہریلے اثرات

تقریبًا بیس سال سے یہ شکایت سنی جاتی ہے کہ جوتے کے روغن کا اثر قلب و دماغ پر نہایت خراب پڑتا ہے، اور بعض اوقات موت کا باعث ہو جاتا ہو، زیادہ تر واقعات اس قسم کے ہوے ہین کہ لوگون نے ایسے جوتے پہنے جنپر تازہ روغن لگایا گیا تھا، اور تھوڑے ہی عرصہ مین ان کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، رنگ نیلا پڑگیا، اور وہ بیمار ہو گئے، تحقیقات سے معلوم ہوا ہو کہ جو روغن جوتون پر لگایا جاتا ہو اس مین سمیت ہوتی ہو، جو عمومًا پیر مین نفوذ کرکے اپنا اثر پیدا کرتی ہو، لیکن ممکن ہو کسی حد تک اپنی بو کے ذریعہ سے بھی دماغ پر اثر ڈالتی ہو، حال مین اسی قسم کا ایک واقعہ ایک بچہ کے ساتھ پیش آیا جسکی عمر صرف آٹھ ماہ کی تھی، ایک روز صبح کو یک بیک وہ نیلا پڑگیا، اور پانچ منٹ کے اندر بے ہوش ہو کر گر پڑا، ڈاکٹر کو اس کمرہ مین جسمین بچہ تھا ایک طرح کی تیز بو معلوم ہوئی جو بچہ کے جسم اور اس کے جوتون سے آرہی تھی، جو تون پر سیاہ روغن لگا ہوا تھا، جو اس وقت تک نم تھا، معائنہ سے معلوم ہوا کہ اسی روغن کا یہ اثر تھا، بہر حال جوتہ علحدہ کیا گیا اور بچہ کو صاف ہوا مین باہر لائے، چوبیس گھنٹے مین اس کی حالت بالکل درست ہوگئی،

ملیریا لانے والے مچھرون سے بچنے کا طریقہ

مچھرون کی بہت سی قسمین ہین، ایک قسم وہ ہے جن سے ملیریا پیدا ہوتا ہو، یہ مچھر دروازون اور کھڑکیون کے بند رہنے کے باوجود روشن دان کے ذریعہ سے کمرون مین داخل ہو جاتے ہین، اور بخار پھیلاتے ہین، ممالک متحدہ امریکہ کے محکمۂ حفظان صحت نے ان سے محفوظ رہنے کا ایک نہایت آسان طریقہ یہ دریافت

کیا ہو کہ روشندان پر پتھلین کی گولیان ایک ٹوکری مین رکھ کر لٹکا دیجائین، ان مچھرون کو پتھلین کی بوسے نفرت ہوتی ہو اور وہ اس سے دور بھاگتے ہین، لیکن یہ گولیان صرف انھین مچھرون کو بھگانے کے لئے کار آمد ثابت ہوئی ہین جن سے ملیریا پھیلتا ہے، نہین کہا جا سکتا کہ دوسرے قسم کے مچھرون کیلئے بھی یہ اتنی ہی مفید ہونگی،

ایک عجیب درخت

فلوریڈا (امریکہ) مین ایک قسم کا انجیر کا درخت پایا جاتا ہو جو اپنی نشو و نما کے لئے کسی دوسرے درخت کا محتاج ہوتا ہے، جس کے انگور کی بیل کی طرح یہ لپٹا رہتا ہو، لیکن اس وقت تک کہ یہ بڑا ہو کر خود اپنے سہارے کھڑا ہو سکے وہ دوسرا درخت ختم ہو جاتا ہو، اسکی پیدائش بھی عجیب و غریب طریقہ سے ہوتی ہو، اس کے بیج کو کوئی چڑیا لاکر کسی درخت کی شاخ پر چھوڑ جاتی ہو، شاخ ہی پر اس کی نشو و نما ہوتی ہے، اور وہین سے اس کی جڑین نیچے زمین کی طرف پھیلتی ہین، یہ جڑین بڑھکر اصل درخت مین لپٹ جاتی ہین، اور رفتہ رفتہ اسے فنا کر دیتی ہین،

ایک پونڈ شہد کے لئے چالیس ہزار میل کا سفر

مسٹر گوڈ ریم (امریکہ) نے حساب لگایا ہو کہ ایک پونڈ (نصف سیر) شہد کے لئے مکھیون کو چالیس ہزار میل کی آمد و رفت کرنی پڑتی ہو، شہد کی مکھی کا وزن تقریباً $\frac{1}{5000}$ پونڈ ہوتا ہو، اور ہر چکر مین جو رس وہ لاتی ہو، اس کا وزن خود اس کے وزن کا تقریباً نصف ہوتا ہو، لہذا ایک پونڈ رس کے جمع کرنے کیلئے تقریباً دس ہزار بار آمد و رفت کرنی پڑتی ہے، لیکن اس رس کا نصف حصہ ہوا مین اڑ جاتا ہو، ہر چکر کا اوسط تقریباً دو میل ہوتا ہو، ان تمام باتون کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہو، کہ ایک پونڈ شہد کے لئے مکھیان چالیس ہزار میل کا سفر کرتی ہین،

امریکہ مین اطبا کی موت

۱۹۳۰ء مین (۳۴۲۹) اطبا نے ممالک متحدہ امریکہ مین وفات پائی، مرتے وقت عمر کا اوسط (۶۳) سال تھا یعنی ۱۹۲۹ء سے ایک سال کم جبکہ اوسط (۶۴) سال تھا، (۶۶) ڈاکٹرون کی جانین موٹرون کے لڑنے سے ضائع ہوئین (۲۴) بلند مقامات سے گر کر مر گئے (۸) کو گولیان لگین (۵) دواؤن کی زیادہ مقدار سے ہلاک ہوگئے، اور (۳) طیارون کے حوادث کا شکار ہوئے، ۱۹۳۰ء مین (۶۶) اطبا نے خودکشی کی، انمین سے (۳۳) نے اپنے کو گولی مارلی (۷) نے شریان کاٹ ڈالی اور (۸) نے زہر کھالیا، (۴) نے خود اپنے کو پھانسی دیدی (۶) زہریلی گیس سے ہلاک ہوئے، (۴) ضرورت سے زیادہ دوا پی کر مر گئے، (۲) ڈوب کر ہلاک ہوئے، اور (۱) نے ایک بلند مقام سے کود کر جان دی،

انوار شمالی کی بلندی

انوار شمالی (AURORA BAREALIS) زمین سے اس قدر بلند نہین ہین جسقدر عام طور پر خیال کیا جاتا ہو، کناڈا کی رائل سوسائٹی نے اپنی رپورٹ مین یہ ثابت کیا ہو کہ بلندی زمین سے صرف (۵۰) میل ہو، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہو کہ چمک (۱۵۵) میل کی بلندی پر دکھائی دیتی ہو، لیکن عام طور سے فاصلہ (۱۰۰) میل سے کم ہے، یہی نتایج ان تجربات سے بھی حاصل ہوئے ہین جو اسکینڈنیویا (SCANDINAVIA) مین عمل مین لائے گئے ہین،

جاپان کی آبادی

دو پشتون سے کم ہی زمانہ مین جاپان کی آبادی دگنی ہوگئی ہے، اور اب اس کی تعداد (۶۴۰۰۰۰۰۰) سے زیادہ ہو، بعض لوگ پیشینگوئی کر رہے ہین کہ آیندہ پشت مین یہ آبادی بڑھکر (۸۰۰۰۰۰۰۰) ہو جائیگی، حالانکہ جاپان کا صرف $\frac{1}{6}$ حصہ قابل زراعت ہو، ۱۸۷۲ء سے ۱۹۲۳ء تک جاپان کی مردم شماری کا نقشہ حسب ذیل ہو،

۱۸۷۲ء مین .... (۳۳۱۱۰۷۹۶)، ۱۸۹۳ء مین .... (۴۱۳۸۸۳۱۳)

۱۹۱۳ء مین .... (۵۳۳۶۲۶۸۲) ۱۹۲۳ء مین .... (۶۰۲۵۷۹۴۳)

"ع ز"

مطبوعات جدیدہ

قرآنی تحریک، حیدرآباد دکن میں مولوی ابو محمد مصلح صاحب اور نواب نذیر جنگ بہادر کی کوششوں سے ایک مفید انجمن کی بنا پڑی ہے جس کا نام "قرآنی تحریک" ہے، دفتر تحریک قرآنی سے "سلسلۂ اشاعت قرآن" کے نام سے ہر مہینہ پابندی سے ایک رسالہ چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحون میں شائع ہوتا ہے، اب تک اس کے متعدد رسالے شائع ہو چکے ہیں، جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، ان کے نامون سے ان کے مباحث کا بھی اندازہ ہوتا ہے، رسائل حسب ذیل ہیں،

(۱) قرآن معنی و مطلب کے ساتھ عام کیونکر ہو (۲) قرآنی علوم (۳) عورتیں قرآن کیونکر پڑھیں، (۴) محبت الٰہی، (۵) قرآن غیر اقوام میں، (۶) عبدیت الٰہی، (۷) ارتقا، انسان اور قرآن، (۸) قرآنی دنیا، (۹) علم تفسیر تاریخی حیثیت سے (۱۰) اتحاد اسلامی (۱۱) خلیفۃ المسلمین (۱۲) بچون کی تفسیر (۱۳) ہونہار طلبہ، (۱۴) خواتین اسلام اور قرآن (۱۵) یورپ اور قرآن، یہ سب رسالے دفتر قرآنی تحریک حیدرآباد سے مل سکتے ہیں، رسالہ کی الگ الگ قیمت درج نہیں، البتہ دس روپیہ سالانہ چندہ ہے، چندہ کی ایک دوسری شکل بھی رسالہ کے لوح پر درج ہے، یعنی ماہوار پورے سٹ کی قیمت ایک روپیہ،،

حفیظ کی خامیان، از جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین، حجم ۱۶۰ صفحے تقطیع چھوٹی، کاغذ عمدہ، قیمت ۱۲ر پتہ گوشہ نشین وزیر آباد پنجاب"

جناب حفیظ جالندھری کی نظمیں جس برکیف انداز میں روانی کے ساتھ لکھی جاتی ہیں وہ اخبارات کی اصطلاح میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے کم نہیں ہوتیں، جسمیں لازماً خس و خاشاک بھی شامل ہو جاتے ہیں جناب گوشہ نشین وزیر آبادی نے انتہائی صبر آزما خاموشی اور استقلال سے ان تمام خس و خاشاک کو

ایک ایک کرکے چنا اور اس انبار کو "حفیظ کی خامیان" کے نام سے موسوم کیا، مرتب کی یہ کوشش ہمارے اور خود جناب حفیظ کے شکریہ کی اس وقت زیادہ مستحق ہوتی اگر اسمین ذاتیات کی بحث شامل نہ کر دیجاتی، کیونکہ حفیظ کی یہ "خامیان" سامنے آجانے پر بھی "حفیظ کی خوبیان" نگاہوں سے نہیں اتر سکتی ہیں، مقصود خامیون کا دور کرنا ہونا چاہئے، نہ کہ اس کے ساتھ خوبیون پر بھی خاک ڈالنا، اس رسالہ میں حفیظ پر کل ۲۴۵ اعتراضات ہیں جنمین سے ۱۸۵ شاہنامہ پر اور ۶۰ اعتراضات حفیظ کی ایک دوسری نظم نغمہ زار پر کئے گئے ہیں،

صدائے برق، مولفہ جناب آفتاب عمر صاحب بی اے حجم ۹۰ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت عمر پتہ:- نامی پریس لکھنؤ یا بھارگو بک ڈپو لکھنؤ، یا وہیلر اینڈ کو الہ آباد

جناب آفتاب عمر صاحب بی اے نے اس مختصر رسالہ میں لاسلکی کے تمام حالات یکجا کئے ہیں، رسالہ کئی ابواب میں منقسم ہے، اور رسالہ میں لاسلکی کے متعلق دلچسپ مواد فراہم کئے گئے ہیں، مختلف بابون میں آواز، بجلی، ٹیلیفون، ایتھر، برقی تموج، وال، اور مختلف آلات وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، رسالہ کا طرز بیان صاف اور سلجھا ہوا ہے رسالہ کی ابتدا میں جناب سوہن لال ایم ایس سی مجسٹریٹ و کلکٹر جونپور کا ایک مختصر مقدمہ ثبت ہے، ہندوستانی ایکاڈیمی نے اس رسالہ کے مؤلف کو پانچ سو روپیے انعام دیئے ہیں،

محاسن اسلام، از جناب مرزا عبد القادر بیگ صاحب ایم اے ال ال بی علیگ وکیل ہائی کورٹ اجمیر، ناشر انجمن تبلیغ الاسلام صوبہ راجپوتانہ، اجمیر، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۳ر

اجمیر کے آریہ سماج ہال میں "تعلیم اسلام کا قومی اخلاق پر اثر" کے عنوان پر ایک تقریر ہوئی تھی، اب وہی تقریر محاسن اسلام کے نام سے شائع کی گئی ہے،

الجزء الثانی من دروس الادب، مولفہ مولوی سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ، ناشر مولوی خندکار فیض الدین احمد صاحب ایم اے، یونیورسل لائبریری ۴۲ نمبر ویلسلی اسٹریٹ کلکتہ، حجم ۷۲ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت مجلد ۱۲، رسالہ خوبصورت ٹایپ میں اچھے کاغذ پر شائع ہوا ہے"

مولوی سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے کلکتہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے ان طلبہ کے لئے جو عربی زبان زبان ثانوی کے طور پر اختیار کرتے ہین، نصاب کی کتابین تیار کرتے رہتے ہین، اور اس سلسلہ مین موصوف کو انگریزی گرامر اور ادب کے ذریعہ عربی صرف ونحو اور ادب کی تعلیم دینے مین خاصہ تجربہ ہوگیا، چنانچہ اس سے پہلے ان کی چند کتابون کے علاوہ ایک رسالہ دروس الادب جزو اول کا تذکرہ ان صفحات مین کیا جا چکا ہے، زیر تبصرہ رسالہ اسی کا جزو ثانی ہے، جو عربی مدارس کے چوتھے درجہ اور انگریزی مدارس کے ساتوین درجہ کے لئے لکھا گیا ہے، اور یہ رسالہ بھی بنگال کے محکمۂ تعلیمات سے منظور ہو چکا ہے، رسالہ چند اسباق مین منقسم ہے، اور ہر ایک سبق ایک ایک سبق آموز حکایت پر مشتمل ہے، جسمین اولًا اوپر مفرد الفاظ دیئے گئے ہین پھر حسب استعداد جملون مین حکایتین بیان کی گئی ہین، آخر مین ایک جدول ہے، جسمین عربی کے مفرد الفاظ کے انگریزی معانی درج کئے گئے ہین، رسالہ عربی اور انگریزی دونون مدرسون کے لئے یکسان مفید ہے،

جبر و مقابلہ، مرتبہ سید انوار حسین صاحب بی اے مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ پربھنی حجم ۱۵۹ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۱۵ر پتہ:۔ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد،

یہ رسالہ حیدر آباد کے نصاب تعلیم کے لئے تالیف ہوا ہے، اس مین درجہ ششم اور مڈل کے طلبہ کے لئے جبر و مقابلہ کے ابتدائی مسائل قلمبند کئے گئے ہین، رسالہ چند ابواب مین منقسم ہے، جسمین مسائل کو سمجھانے کے بعد مشق کرانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن کتابت کی غلطیان اس قدر بہ کثرت ہین کہ اس کا ہر صفحہ مشتبہ ہو گیا، ضرورت تھی کہ اس کو شائع کرنے سے پہلے کسی قدر وقت صرف کرکے تمام غلطیان درست کر دیجاتین،

چائے نامہ، از جناب محمد کاکوی حجم ۲۱ صفحے، قیمت ۳ر پتہ لائبریرین کتب خانہ بزم کمال کاکو ضلع گیا،

جناب محمد کاکوی کی یہ ایک انوکھی قسم کی نظم ہے، جسمین ہندوستان مین چائے کے عام طور پر رواج پانے کا ذکر کرکے اس کے مضر اثرات دکھائے گئے ہین، نظم کا طرز بیان دلکش ہے، "ر"

جلد بست و ہشتم ۲۸	ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء	عدد ۴

مضامین